شاہ ولی اللہ — سوانح حیات — اور ماحول

بی۔ اے۔ ڈار
مترجم خالد مسعود

شاہ ولی اللہ بلند پایہ علما اور صوفیا کے خانوادے میں پیدا ہوئے جس کے بعض افراد نے علم و فضل میں نام پیدا کیا اور بعض حرب و ضرب میں مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفہ دوم حضرت عمرؓ تک پہنچتا ہے۔ (۱) آپ کے مورثِ اعلیٰ میں سے سب سے پہلے جو ہندوستان تشریف لائے مفتی شمس الدین تھے۔ آپ رہتک میں آکر قیام پذیر ہوئے۔ رہتک دہلی سے مغرب کی جانب تقریباً تیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ جب سے مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد شروع ہوئی اسی وقت سے رہتک آباد ترین قصبوں میں شمار ہوتا تھا اور مشہور خاندان وہاں سکونت پذیر تھے۔ غالباً مفتی شمس الدین قریش خاندان کے پہلے فرد تھے جو اس قصبے میں آکر ٹھہرے۔ وہ خود بہت بڑے عالم اور صوفی تھے۔ آپ نے علوم دینی کی ترویج کے لئے یہاں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی لوگ اس درس گاہ سے استفادہ کے لئے جوق در جوق آنے لگے آپ کو طریقہ چشتیہ سے نسبت تھی۔ آپ اس شہر کے قاضی مقرر ہوئے۔ (۲) بعد میں نسلاً بعد نسلٍ قضا کا یہ منصب آپ کے خاندان میں رہا اخلاف میں سے شیخ قاضی قادن (۳) رئیس بلد بھی مقرر ہوئے۔ قاضی قادن کے صاحب زادے شیخ محمود نے اس آبائی پیشے کو خیرباد کہا اور عسکر شاہی کی ملازمت اختیار کرلی۔ چار پانچ پشت تک خاندان کا لگاؤ عسکری خدمات سے قائم رہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ محمود کے صاحبزادے شیخ احمد نے شیخ عبدالغنی کی صحبت پائی تھی جو اپنے عہد کے معروف صوفی گزرے ہیں۔ "زبدۃ المقامات" کے مصنف خواجہ محمد ہاشم کاشمی لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالغنی شیخ احمد سرہندی کے والد کے ہم عصر تھے اور جب آپ سرہند آئے تھے تو ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ جس میں تصوف کے بہت سے اہم اسرار و رموز کے بارے میں طویل بات چیت بھی ہوئی تھی۔ (۴)

شیخ وجیہ الدین، جو شاہ ولی اللہ کے دادا تھے۔ ایک ممتاز و نمایاں جنگ آزما ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ صوفی بھی تھے۔ شاہ جہاں کے دور حکومت میں مغل سپہ سالار سید حسین کی زیر قیادت مالوہ کی جنگوں میں

لہ جناب بی اے ڈار صاحب کا یہ مقالہ انگریزی زبان میں "اقبال اکیڈمی پاکستان کراچی" کے رسالہ اقبال ریویو میں شائع ہوا ہے۔ رسالہ مذکور اور جناب ڈار صاحب کے شکریہ کے ساتھ اس مقالے کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے — ایڈیٹر

انہوں نے بڑا نام پیدا کیا۔ اسی جنگ میں انہوں نے یکے بعد دیگرے تینوں بھائیوں کو شکست دے کر قتل کیا۔ ان بھائیوں کی بوڑھی والدہ نے آخر میں شیخ وجیہ الدین سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنی والدہ کی طرح سمجھیں۔ آپ نے اس عہد کو آخر دم تک پورا کیا۔ شاہ عبدالرحیم ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بڑھیا کو اپنی دادی کی طرح رکھا۔ شیخ وجیہ الدین نے جنگ کھجوہ (۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء) میں اورنگ زیب کی طرف سے شرکت کی اور شاہ شجاع کو شکست دینے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ لیکن اس کے باوجود جب اس اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں انہیں ایک بڑے منصب کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ اس طرز زندگی کے باوجود شیخ وجیہ الدین اعلیٰ اخلاقی کردار کے مالک تھے۔ ساری عمر سفر و حضر میں ہر حالت میں دو پارے روزانہ تلاوت کرتے آخر عمر میں نظر کمزور ہو گئی تو انہوں نے قرآن کریم کا جلی حروف کا نسخہ منگوا لیا۔ آخری ایام میں آپ نے فوج کی ملازمت چھوڑ دی تھی اور سارا وقت عبادت و ریاضت میں گذارنے لگے تھے۔ ایک مرتبہ نماز کے دوران انہیں القا ہوا کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی۔ آپ نے سوچا کہ انہیں شیواجی کے خلاف جو اپنی حدود سلطنت میں اسلامی اداروں کی بے حرمتی کر رہا تھا، جہاد میں شرکت کا حکم ہوا ہے، چنانچہ آپ دکن کی طرف چل پڑے۔ لیکن راستے میں ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ کر دیا اور اس طرح آپ نے شہادت پائی۔ (۵)

شیخ وجیہ الدین کی اہلیہ بھی بڑے مشہور و معروف صوفی اور اہل علم خاندان سے تعلق رکھتی تھیں یہ خاندان اچ (ملتان) میں آباد تھا۔ اس خاندان میں سے شیخ طاہر علم کی تلاش میں بہار کی طرف آئے۔ اور یہاں جونپور میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے صاحب زادے شیخ حسن نے دینی تعلیم و تربیت کے لئے یہاں ایک مدرسہ جاری کیا۔ شیخ حسن مشہور چشتی صاحب طریقت بزرگ سید حمید راجی شاہ کے مرید تھے۔(۶)

بعد میں شیخ سکندر لودھی کی خواہش پر آپ دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ نے ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء میں وفات پائی۔ آپ کے صاحب زادوں میں سے شیخ محمد جو جیالی کے نام سے معروف ہیں، مشہور صوفی گذرے ہیں۔ ان کا قیام کئی سال مدینۃ النبی میں رہا۔ شیخ ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود کے مشہور حامی شیخ امان اللہ پانی پتی شیخ محمد کے خلیفہ تھے۔ شیخ حسن کے دوسرے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز متوفی ۹۷۵ھ نے بھی تصوف میں اپنے زمانے میں بلند مقام حاصل کیا۔ ان کے ایک مرشد نے ابن عربی کی فصوص الحکم کے رموز سے انہیں متعارف کرایا۔ اور ان کو سہروردی طریقے میں داخل کیا۔ بعد میں آپ سید ابراہیم اِرجی سے وابستہ ہوئے جنہوں نے ان کو تمام صوفیانہ طریقوں کی تربیت دی لیکن انہیں خود خصوصی نسبت قادری طریقے سے تھی۔

چنانچہ شیخ عبدالعزیز نے بھی اسی طریق کو اختیار کیا۔ لیکن انھوں نے درس و تدریس کو کبھی ترک نہیں کیا۔ اپنے اسلاف کی طرح آپ بھی اپنے دہلی کے مدرسے میں برابر پڑھاتے رہے۔ آپ کے صاحب زادے شیخ قطب عالم نے بھی بحیثیت ایک عالم دین کے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اور اسی مدرسے میں تعلیم دیتے رہے۔ مشہور صوفی بزرگ خواجہ باقی باللہ جن سے سرزمین ہندوپاک میں نقشبندی طریق کا آغاز ہوا۔ شیخ قطب عالم کے شاگرد تھے اور انہی کے حکم سے وہ نقشبندی طریق کی تربیت کے لئے خراسان گئے تھے۔ آخر عمر میں خود شیخ قطب عالم نے خواجہ باقی باللہ کی بیعت کر لی تھی۔ شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے، شیخ رفیع الدین محمد بھی بہت جید عالم اور مشہور صوفی تھے۔ شروع میں اگرچہ آپ نے اپنے والد سے چشتی طریقے میں تربیت پائی تھی۔ لیکن بعد میں آپ کو خواجہ باقی باللہ سے قربت حاصل ہوئی جو ان کے والد کے اولاً شاگرد اور بعد میں مرشد ہو گئے تھے۔ خواجہ صاحب کو آپ سے خصوصی محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ پیرانہ سالی اور ضعیف العمری کے باوجود حضرت خواجہ باقی باللہ شیخ رفیع الدین کی شادی میں شرکت کے لئے اتنا کٹھن سفر کیا۔ ایسے ہی مشہور و معروف صوفیہ کی شرکت کی برکت تھی کہ شیخ کے ہاں وہ لڑکی پیدا ہوئی جو بعد میں شاہ عبدالرحیم کی والدہ بنیں۔

شاہ عبدالرحیم ۱۰۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ (۷) آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ وجیہ الدین اور اپنے بڑے بھائی ابوالرضا (متوفی ۱۱۰۱ھ) سے پائی۔ (۸) شاہ ابوالرضا نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شروع میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ آپ نے تمام علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی لیکن اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صوفیانہ زندگی اختیار کر لی اور خواجہ باقی باللہ کے فرزند، خواجہ خورد کے مرید ہو گئے۔ آپ ہر جمعہ کو تین حدیثوں پر مبنی وعظ دیا کرتے تھے، پہلے ان حدیثوں کا فارسی میں اس کے بعد حاضرین کے استفادے کے لئے عام ہندوستانی زبان میں اس کا ترجمہ بیان کرتے۔ اوائل حیات میں آپ ہر موضوع پر وعظ فرماتے تھے لیکن بعد میں تفاسیر میں سے بیضاوی اور کتب احادیث میں سے مشکوٰۃ پر حصر فرمانے لگے۔ آپ عقیدہ وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس کی اپنی تعبیر بیان فرماتے تھے۔ ان کو اپنے منتخب حلقے میں کتب صوفیہ کرام کے ادق مسائل پر گفت گو کرنے کی طرف بڑی رغبت تھی۔ (۹) کہا جاتا ہے کہ شاہ صاحب کے ہم عصر مشہور عالم ملا یعقوب کو وحدت الوجود کے بارے میں کچھ شکوک تھے۔ لیکن ایک مرتبہ جب وہ شاہ صاحب کے خطبے میں آئے تو تمام شکوک دور ہو گئے۔ (۱۰) ان کا کہنا تھا کہ وحدت الوجود کو صوفیانہ وجدان اور باطنی مشاہدے کے ذریعہ بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اور جو لوگ اس پر اعتراضات کرتے ہیں

وہ دراصل عقلی استدلال کی وجہ سے اس کی حقیقت کو سمجھنے سے ہی قاصر ہیں۔ (۱۱) تطبیق کی روح، جو شاہ ولی اللہ کے نہج فکر میں زیادہ نمایاں ہے، شیخ ابو رضا کے عقیدۂ رویت باری تعالیٰ کے موقف میں واضح طور پر کارفرما نظر آتی ہے معتزلہ اور شیعہ دونوں رویتِ باری تعالیٰ کے منکر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس سے جہت لازم آتی ہے۔ تاہم ان کے نزدیک تمام پردوں کے اٹھ جانے کا نتیجہ ظہور کامل ہے لیکن اہل السنت والجماعت کے نزدیک صفت اور جہت کے بغیر بھی رویت باری تعالیٰ ممکن ہے اور ان کے نزدیک یہی ظہور کامل ہے۔ چنانچہ ابو رضا کے نزدیک اختلاف محض لفظی ہے حقیقی نہیں۔

شاہ عبدالرحیم کی ابتدائی تعلیم شیخ ابو رضا کی نگرانی میں شروع ہوئی۔ (۱۲) بعد میں آپ کو حضرت میر زاہد ہروی سے شرفِ تلمذ ہوا (۱۳) ان سے آپ نے شرح مواقف اور کلام اور اصول فقہ کی دوسری کتب پڑھیں (۱۴) آپ نے اپنی استعداد کی وجہ سے بہت جلد ان علوم میں درجہ کمال حاصل کر لیا اور اپنے رفقاء کے محسود نظر ہو گئے۔ آپ نے فتاویٰ عالمگیری کے متن میں کچھ تناقضات کی نشاندہی کی جن کی طرف کسی کی نظر نہیں گئی تھی۔ اس سے آپ کے رفقاء آپ سے ناراض ہو گئے اور کسی تدبیر سے آپکا نام فتاویٰ عالمگیری کے مدونین سے نکلوا دیا۔ تصوف میں شاہ عبدالرحیم نے آغاز سے ہی نقشبندی سلسلے میں تربیت پائی۔ (۱۵) خواجہ خورد کے کہنے سے۔ (۱۶) آپ شیخ آدم بنوری (متوفی ۱۰۵۰ھ) کے خلیفہ حافظ سید عبداللہ سے وابستہ ہو گئے۔ (۱۷) بعد میں خود خواجہ خورد سے وابستہ ہوئے۔

شاہ ولی اللہ نے خود اس سلسلے میں اپنے والد کے مسلک کی وضاحت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے والد خواجہ باقی باللہ کے نقشبندی سلسلے کو دوسرے سلاسل پر اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ اول تا آخر آپ کی تربیت اس سلسلے میں ہوئی تھی (۱۸) بعد میں ان کو دوسری سلاسل میں تربیت کا موقع بھی ملا۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے والد ماجد کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ جو نسبت مجھے شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل ہے وہ [illegible] اور لطیف ہے، اور جو نسبت خواجہ نقشبند سے حاصل ہوئی وہ زیادہ قوی اور موثر ہے، جو نسبت خواجہ معین الدین چشتی سے حاصل ہوئی وہ محبت کے زیادہ قریب ہے۔ اور اسمائے حسنیٰ کی تاثیر اور قلب کی طہارت کے لئے زیادہ کارگر ہے۔ (۱۹) آپ ابن عربی کا بہت احترام فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ میں فصوص الحکم میں بیان کردہ عقیدہ وحدت الوجود کی ایسی تعبیر کر سکتا ہوں کہ اس کا قرآن و احادیث سے تناقض دور ہو جائے۔ اور اس سلسلہ میں جتنے بھی شکوک و شبہات ہیں سب کا

ازالہ ہوجائے۔ تاہم آپ کا خیال تھا کہ ان مسائل پر بحث و تمحیص جاری رہنا چاہیئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ان کے اکثر ہم عصر ان مسائل کو پوری طرح سمجھ نہیں پاتے اور اس طرح بھٹک جاتے ہیں۔ آپ ایسی کتابوں کے مطالعہ پر بہت زور دیتے تھے جن میں ان مسائل سے بحث کی گئی ہو۔ شاہ ولی اللہ نے ان سے جامی کی "لوائح" اور عراقی کی شرح "لمعات" "سبقاً سبقاً" پڑھیں اور ان کے تمام اختلافی مسائل پر پوری طرح بحث و تمحیص کی۔ فصوص الحکم کی فارسی شرح، جامی کی نقد النصوص، کا شاہ عبدالرحیم نے طلبہ کی ایک جماعت کو باقاعدہ درس دیا شاہ ولی اللہ کو اس میں شرکت کا بھی موقعہ ملا۔

شاہ ولی اللہ نے خاص طور پر ایک دو مسائل کا ذکر بھی کیا ہے، جن پر شاہ عبدالرحیم خاص طور پر بحث فرماتے تھے۔ ایک مسئلہ تو وحدت و کثرت کے تعلق اور خالق اور مخلوق کا رشتہ ہے۔ صور علمیہ جو ہمیں نظر آتی ہیں، حقیقت خارجیہ کی حامل نہیں ان کی حقیقت کا دراصل ہمارے علم پر انحصار ہے، بالفاظ دیگر یہ ہمارا اپنا علم ہے جو مختلف شکلوں میں متمثل ہوا ہے۔ ہم ان کو علم سے منسوب بھی نہیں کر سکتے کیونکہ علم کا وجود اس وقت بھی تھا جب یہ صور وجود نہیں رکھتی تھیں نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صور علم سے مختلف اور علیحدہ ہیں۔ کیونکہ ان مختلف اشیاء کے لئے علت (منشا) اور منا (قیوم) لازمی ہے اور وہ علم ہی ہو سکتا ہے۔ علم صفت اور تعداد سے مبرا ہے یہ تمام کثرت و تعدد علم کی فطرت میں عارج نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہر صفت اور کثرت سے پاک ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ "هو معكم (۵۷ : ۴) سوال یہ ہے کہ اس معیت کی نوعیت کیسے متعین ہو۔ شاہ عبدالرحیم کے نزدیک یہ معیت علمی ہی نہیں واقعی بھی ہے۔ لیکن یہ اس طرح بھی نہیں جس طرح ایک ہیولی کا تعلق دوسرے ہیولی سے ہوتا ہے۔ یا ایک صفت کا دوسری صفت سے ہے یا ایک ہیولی کا ایک صفت سے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے معیت اس سے قطعاً الگ چیز ہے، اس کا ادراک عقل انسانی سے ممکن نہیں۔ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ لوگوں نے اس معیت کی مختلف تعبیریں کی ہیں۔ بعض کا خیال ہے اللہ تعالیٰ اپنے علم، قدرت، سمع اور بصر کے ذریعہ ہر چیز پر محیط ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ (۲۰) بعض نے کہا کہ ہر عمل اور ردِ عمل، حرکت اور صفت جو اس دنیا میں نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (۲۱) جیسا کہ قرآن میں ہے بعض کا خیال ہے کہ ہر چیز جو وجود رکھتی ہے "وہی ہے" اور "اس" کے سوا کسی کا وجود نہیں، جیسا کہ قرآن نے کہا ہے (۲۲)

ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کی عین ہیں اور دنیا کی ہر چیز بذاتہ خیر

ہے اور شر محض اضافی ہے۔ مثال کے طور پر تلوار کی دھار کی تیزی اپنے طور پر اچھی چیز ہے اور لوہے کے ٹکڑے کی خوبصورتی ہے لیکن جب یہی تلوار قتل ناحق میں استعمال ہو تو اس کی صفت میں برائی آجاتی ہے (۲۳)

مذہبی امور میں بھی شاہ عبدالرحیم وسیع النظر تھے۔ عمومی طور پر آپ حنفی مسلک پر تھے۔ لیکن بعض امور میں وہ دوسرے فقہی مکاتب کے فیصلوں کو احادیث کی بنیاد پر یا اپنی رائے اور وجدان کی بنا پر ترجیح دیتے تھے۔ متنازعہ فیہ مسائل میں سے مثلاً ایک مسئلہ قرأت الفاتحہ خلف الامام کا تھا کہ مقتدیوں کو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیئے یا خاموش رہیں کیونکہ امام سورہ فاتحہ تلاوت کر رہا ہے۔ احناف کے نزدیک مقتدیوں کو خاموش رہنا چاہیئے۔ شیخ احمد سرہندی کے پوتے شیخ عبدالاحد نے جو حنفی مسلک کے شدید مقلد تھے، شاہ عبدالرحیم سے اس مسئلہ پر بحث کی (اس واقعہ کو علامہ شبلی نے غلطی سے امام ابوحنیفہ سے منسوب کر دیا ہے) (۲۴) شاہ عبدالرحیم کا اصرار تھا کہ نماز کے اصل مقاصد، یعنی تطہیر قلب، اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بغیر پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتا (۲۵) اسی طرح مسالک طریقت میں بھی بعض امور میں وہ اپنی رائے رکھتے تھے۔ ایک روز شیخ احمد سرہندی کے پوتے خواجہ نقشبند نے کہدیا کہ اس زمانے کے صوفیا اگلوں کے محض نقال ہیں، ان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں۔ شاہ عبدالرحیم نے اس کا جواب دیا کہ آج کے صوفیا ایسی بہت سی باتوں کے حامل ہیں جو اگلوں کو حاصل نہیں تھیں۔ اور اس کے ثبوت میں انہوں نے اپنے موقف کی خصوصی وضاحت کی اور قدما کے موقف سے اس کا تقابلی مطالعہ پیش کیا۔ (۲۶)

اپنے والد کے برعکس شاہ عبدالرحیم نے ساری زندگی خالص صوفیانہ طور پر گذاری اور علائق دنیوی سے قطعاً الگ تھلگ رہے اور بادشاہوں کی حاضری اور صحبت سے ہمیشہ احتراز کرتے رہے۔ ایک مرتبہ اورنگ زیب نے شاہ صاحب سے ملاقات کی خواہش کی لیکن آپ نے صوفیہ کی اعلیٰ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے انکار کر دیا۔ (۲۷)

ایک مرتبہ شیخ حمید، جو مرزا محمد زاہد کے مدرسے میں آپ کے ہم درس رہے تھے، شاہ صاحب کے گھر پر آئے اور درخواست کی کہ روزانہ کچھ مشاہرے پر فتاوی کی نظر ثانی میں ان کے شریک ہو جائیں لیکن آپ نے سختی سے انکار کر دیا۔ والدہ کو علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ گھر کی معاشی حالت کے پیش نظر ہی تمہیں اسے قبول کر لینا چاہیئے۔ ان کے شدید اصرار پر آپ نے مجبور ہو کر یہ پیش کش قبول کر لی۔ لیکن آپ کے مرشد حضرت ابوالقاسم کو معلوم ہوا تو انہوں نے اسے رد کرنے کا حکم دیا۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ

والدہ کے اصرار کی وجہ سے مجبور رہوں ورنہ میں خود بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے مرشد سے درخواست کی کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ یہ مصیبت خود بخود ٹل جائے۔ ابھی اثنا میں ان کا نام اس فہرست سے خارج کردیا گیا اور اس کے عوض انہیں ایک قطعہ اراضی پیش کیا گیا جسے قبول کرنے سے آپ نے انکار کردیا۔ (۲۸) با ایں ہمہ ان کی زندگی راہبانہ ہرگز نہیں تھی۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں ان کو اس دنیا اور عقبیٰ دونوں کی عقل و حکمت وافر عطا ہوئی تھی (۲۹) ان کی زندگی خیر الامور اوسطہا کا نمونہ تھی۔ (۳۰) شیعہ اور سنی تنازعات میں ان کا موقف بڑا واضح اور غیر مبہم تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ شیعہ حضرات گم کردہ راہ ہیں۔ لیکن وہ مناظرانہ اور جذباتی رنگ پیدا کرکے فضا کو مکدر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک شیعہ عبداللہ چلپی سے ملاقات ہوئی جو ایران سے ترک وطن کرکے یہاں آیا ہوا تھا۔ بحث و مباحثہ کے شروع ہونے سے پہلے ہی آپ نے وضاحت فرمادی کہ میرا نقطۂ نظر تفرقہ بازی کا نہیں ہوگا میرا طریق بحث بالکل غیر جانبدارانہ طلب صداقت ہوگا۔ جو صحیح ہے اسے تسلیم کروں گا جو غلط ہے اس کی تردید کردوں گا۔ انہوں نے بعد میں فرمایا کہ ہمیشہ اس طریق بحث سے ہی شیعہ حضرات کو بغیر کسی کج بحثی کے قائل کرنے میں کامیاب ہوا کرتے تھے۔ آخر میں عبداللہ چلپی آپ کا مرید ہوگیا۔ (۳۱) لیکن اس کے باوجود شیعہ فرقہ سے آپ کی بیزاری برقرار رہی۔ (۳۲) شاہ عبدالرحیم نے ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے (۳۳) مسلم گھرانوں کے دستور کے مطابق، پانچ سال کی عمر میں مدرسے میں داخل ہوگئے۔ سات سال کے ہوئے تو صوم و صلوٰۃ کی تاکید شروع ہوگئی۔ ساتویں سال کے آخر تک آپ قرآن کریم مکمل کرچکے تھے۔ اور فارسی کتابوں اور فارسی قواعد صرف و نحو کی تعلیم شروع کردی تھی۔ اس کے بعد آپ پر علوم کے دروازے وا ہوگئے اور آپ نے پورا پورا استفادہ اٹھایا شاہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دن سب نے مل کر سیر کا پروگرام بنایا۔ جب وہ واپس ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے سخت افسوس کا اظہار کیا کہ تم نے اتنا سارا وقت لایعنی باتوں میں گذار دیا جب کہ میں اس دوران میں کتنی ہی مرتبہ حضور صلعم پر درود پڑھ چکا ہوں۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے کبھی ایسی باتوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیا (۳۴) اور اپنی تعلیم میں اتنے انہماک کا اظہار کیا جو اس عمر کے لڑکے سے قطعاً توقع نہیں ہوتا۔ (۳۵) چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی کردی گئی (۳۶) پندرہ سال کے ہوئے تو والد کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کا

تربیت حاصل کرنے لگے۔ اب سارا وقت عبادت و ریاضت میں گذرتا خصوصاً نقشبندی سلسلے کے اشغال میں زیادہ انہماک تھا۔ انہوں نے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں جس کی تفصیل انہوں نے خود بیان کی ہے۔

علوم حدیث میں آپ نے مشکوٰۃ المصابیح بالاستیعاب پڑھی۔ صحیح بخاری کے کچھ ابواب (آغاز سے ابواب طہارت تک) پڑھے اور والد کی موجودگی میں شمائل النبی کا درس سنا۔

تفسیر میں البیضاوی کا کچھ حصہ اور مدارک کا کچھ حصہ پڑھا۔ لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی نعمت انہیں یہ حاصل ہوئی کہ اپنے والد سے قرآن کا ایک حصہ اس طرح پڑھا کہ قرآن مجید کے مفہوم و اہمیت پر خصوصی زور دیا جاتا تھا اور شان نزول کی تفہیم کے لئے تفاسیر سے مدد لی جاتی تھی۔ اس طرح قرآن کے فہم میں آپ کو بے حد مدد ملی۔ فقہ میں آپ نے شرح وقایہ تقریباً مکمل اور ہدایہ بھی چند صفحات کے علاوہ تقریباً ساری پڑھی۔ اسی طرح اصول فقہ اور منطق کلام، تصوف، طب، اور حکمت وغیرہ کی بھی تمام متداولہ کتابیں پڑھیں، اوائل طالب علمی میں ہی ان کی تخلیقی صلاحیتیں ابھر آئی تھیں۔ فرماتے ہیں کہ طالب علمی کے دوران میں ہی مجھے ہر شعبۂ علم میں نئی نئی باتوں کا القا ہوتا اور تھوڑی سی کوشش سے بڑی تیزی سے استعداد میں اضافہ ہو جاتا" (۳۷)

شاہ ولی اللہ تحصیل علم سے پندرہ برس کی عمر میں فارغ ہوئے تو ان کے والد نے بڑے اہتمام سے ایک تقریب کا انتظام کیا جس میں بہت سے لوگوں کو دعوت دی اس تقریب سے جہاں آپ کے تکمیل علوم کا اعلان ہوا وہاں آپ کو اس مدرسہ کی انتظام کی ذمہ داریاں بھی سونپ دی گئیں جو اب تک آپ کے والد کی تعلیم میں تھیں مرض وفات میں آپ کے والد نے آپ کو بیعت کی بھی باقاعدہ اجازت دی اور مرید کرنے اور انہیں اوراد و وظائف کی تلقین کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔

والد کی وفات کے بارہ سال بعد تک (۱۹ ۱۷ھ) سے ۳۱ ۱۷ھ تک) شاہ ولی اللہ درس و تدریس میں منہمک رہے اور منقولات و معقولات کی تعلیم دیتے رہے۔ اس دوران میں آپ نے جو کچھ بھی پڑھا تھا اس پر گہرے غور و فکر کا موقع ملا۔

قدیم طرز تعلیم میں، جہاں استاد اور طالب علم کا تعلق بڑا ذاتی اور قریبی ہوتا ہے اور سوالات پوچھے جاتے اور ان پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے، شاہ ولی اللہ جیسی ذہین شخصیت کو موقع مل گیا کہ وہ ہر موضوع فکر پر اپنا نقطۂ نظر قائم کریں۔ وہ اکثر اپنے والد کے مزار پر جا کر بیٹھ جاتے اور اس طرح انہیں کثرت سے فیض روحانی

حاصل ہوتا جس سے ان کی نظر میں وسعت اور فکر میں گہرائی آتی گئی چاروں مذاہب فقہ کی فقہی مباحث، اصول اور ان احادیث کے مطالعہ سے، جن پر فقہی احکام کی بنیاد رکھی جاتی تھی انہیں اصولیین اور محدثین کے بنیادی اصولوں کو سمجھنے میں مدد ملی (۳۸)

سولہ سال کی عمر میں آپ اپنے آبائی مدرسہ میں صدر مدرس ہوئے یہ ۱۱۳۱ھ - ۱۷۱۹ء کا واقعہ ہے جب کہ سید برادران نے فرخ سیر کو اندھا کر کے اسے تخت سے محروم کر دیا تھا۔ اس حادثہ نے جیسا کہ شاہ صاحب خود بھی فرماتے ہیں امور سلطنت میں عظیم انتشار اور بدنظمی پیدا کر دی۔ اس سے نو سال بیشتر راجپوت راجاؤں نے ۱۱۲۲ھ - ۱۷۱۰ء میں اجمیر کے قریب ایک اجتماع میں مغل سلطنت سے بغاوت کا اعلان کیا تھا۔ اور مسلمان سلطنت کے خلاف کھلم کھلا جنگ کے مصمم ارادے کا اظہار کیا تھا۔ (۴۰) راجپوتوں کی طرح سکھوں نے بھی بندہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کو تباہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اور وہ جہاں بھی گئے انہوں نے مسلمانوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ۱۱۲۲ھ میں سرہند میں چار روز تک غارتگری اور ظلم و ستم کا دور دورہ رہا مسجدیں گرا دی گئیں۔ مسلمانوں کے گھر جلائے گئے عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اور مسلمانوں کا خون بہایا گیا (۴۱)

شاہی دربار پر ان لوگوں کا نفوذ تھا، جو سرتاپا بدکردار اور بے ایمان تھے۔ اسدخاں جیسا شخص جو ۳۷ سال تک اورنگ زیب کا وزیر رہا تھا اب انگریزوں کی طرف سے دربار میں ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے باقاعدہ تنخواہ پاتا تھا (۴۲) بہادر شاہ کی وفات کے بعد تخت نشینی کی جنگ میں اسدخاں اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں نے بڑا ہی پرفریب اور مکارانہ کردار ادا کیا۔ انہوں نے سب سے کمزور شہزادے جہاندار شاہ کی تائید کی لیکن جب فرخ سیر نے جہاندار شاہ کو شکست دے دی تو جہاندار کو انہوں نے امان دی اور بعد کو اسے فرخ سیر کے حوالے کر دیا تاکہ اس طرح ان کی مراعات بحال رہیں۔ (۴۳) یہی حال اکثر امرا کا تھا۔ جو مرکزی حکومت پر چھائے ہوتے تھے۔ دربار میں تورانی اور ایرانی امراء کے درمیان بھی مستقل باہمی آویزش جاری تھی جو بدقسمتی سے شیعہ سنی تنازعات کی شکل بھی اختیار کئے ہوئے تھی۔ یہ رقابت دراصل مغل خارجہ حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ مغلوں کا معاملہ ایران کے صفوی بادشاہوں سے بھی تھا جو شیعہ تھے اور وسط ایشیا کے ازبکوں سے بھی جو سنی تھے۔ شروع میں تو مغل بادشاہ ہندوستان میں آکر آباد ہونے والے ہر ایک شخص سے خواہ وہ ایران سے آیا ہو، یا ترکستان سے یکساں سلوک کرتے تھے لیکن بعد میں جب صفویہ سے تعلقات کشیدہ ہوئے

تو ایرانی عناصر کو تورانیوں کے سامنے جھکنا پڑا۔ تورانی حامیوں کی یہ حکمت عملی شاہ جہان کے دور میں زیادہ نمایاں ہوئی کیونکہ اس کی ایران سے جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ اورنگ زیب کے عہد میں بھی یہ کشیدگی جاری رہی (۶۴) بہادر شاہ کی شیعہ دوستی کی افتاد کے بعد سید برادران کے عروج سے ایرانی شیعہ عنصر کو بے حد تقویت ملی۔ اس چپقلش کا سلطنت کے شیرازے کو منتشر کرنے پر کچھ کم اثر نہ پڑا۔ اس ڈر سے کہ کہیں تورانی سنی دہلی میں اس کے خلاف اٹھ کھڑے نہ ہوں۔ حسین علی ۱۱۳۲ھ ۱۷۱۹ء میں بالاجی وشوا ناتھ پیشوا کی کمان میں گیارہ ہزار مرہٹہ فوج دہلی میں لے آیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت تک تو مرہٹے بہت کمزور اور بے جان ثابت ہوئے اور بہت بڑی تعداد میں مارے بھی گئے لیکن آیندہ کے لئے ان کے لئے راستہ کھل گیا کہ وہ مغل سلطنت کو نقصان پہنچا کر اس علاقہ میں اپنا اثر و نفوذ بڑھاتے رہیں اور حملے کرتے رہیں۔ ۱۱۳۳ھ میں جب باجی راؤ اپنے باپ کے بعد پیشوا ہوا تو اس نے مقامی ہندو حکمرانوں اور بندیلہ اور میواڑ کے راجپوت راجاؤں کو مسلمانوں کی دشمنی کی بنیاد پر جو ان کے مشترکہ دھرم پر جبر کرنے والے تھے، اکٹھا کر لیا۔ (۶۶) دربار میں تو امرا میں آویزش اور چپقلش موجود ہی تھی، اس سے مرہٹوں کو اور تقویت ملی اور سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ جاٹ آبادی نے بھی سر اٹھایا حکام کی نااہلی سے حوصلہ پا کر جاٹ راستوں میں ڈاکے ڈالنے لگے اور پوری کوششوں کے باوجود ان کی سرکوبی نہ ہو سکی۔ ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۲ء) میں دکن سے نظام الملک کو بلا کر قلمدان وزارت اس کے سپرد کیا گیا۔ اور اس سے درخواست کی گئی کہ وہ سلطنت کا نظم و ضبط سنبھالے اس نے بادشاہ کے حضور مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔

۱۔ خالصہ اراضی کو ٹھیکے پر دینا بند کر دیا جائے۔

۲۔ حکام کے تقرر پر نذرانوں کے نام سے جو رشوت وصول کی جاتی ہے اسے فی الفور بند کیا جائے

۳۔ جاگیریں دینے میں کمی کی جائے اور صرف مستحق اور طاقت ور امرا ہی کو دی جائیں۔

۴۔ شہنشاہ کو افغان سرداروں کی سرکوبی میں شاہ ایران کی مدد کرنی چاہیئے ورنہ افغان کسی بھی وقت ہندوستان کا رخ کر سکتے ہیں۔ (۶۷)

یہ بات نہایت اہم اور قابل ذکر ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے شہنشاہ، وزرا، اور امرا کو لکھا، نظم و نسق کی اصلاح کے لئے تقریباً یہی تجاویز پیش کیں دوسرے امور کے علاوہ انہوں نے لکھا

۱۔ خالصہ اراضی کے رقبہ جات میں توسیع کی جائے۔ دہلی کے گرد و نواح کے تمام علاقے آگرہ حصار اور گنگا تک اور سرہند کی حدود تک اس میں شامل کر لئے جائیں اگر خالصہ زمینیں کم ہونگی تو لازمی طور پر خزانہ

خالی رہے گا اور مرکز کی قوت میں کمزوری آئے گی۔

۲۔ جاگیریں صرف اعلیٰ پایہ کے امرا کو دی جائیں۔ چھوٹے امرا کو نقد کی صورت میں ادائگی کی جائے کیونکہ وہ جاگیر کی مناسب دیکھ بھال کی قدرت نہیں رکھتے۔

۳۔ خالصہ اراضی کو ٹھیکے پر دینے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ اس نظام سے زمینیں تباہ ہوتی ہیں اور لوگوں کی معاشی حالت کمزور ہوتی ہے (۴۸)

لیکن ان عقلمندانہ تجاویز کو کسی نے نہ سنا۔ شہنشاہ اور اس کے درباریوں کی سخت مخالفت کے سامنے نظام الملک کی ایک نہ چلی۔ دارالخلافہ میں دو سال کے بے نتیجہ قیام کے بعد آخر وہ ۱۷۲۳ء کے آخری مہینے میں دکن واپس چلا گیا اس کے جانے کے بعد درباری سازشیں مزید رنگ لائیں اور نظم ونسق بالکل تباہ ہوکر رہ گیا۔ مرہٹوں کے حوصلے اتنے بڑھے کہ انہوں نے دہلی پر حملہ کیا اور اسے لوٹا۔ شہنشاہ نے فرخ آباد کے نواب محمد خاں بنگش کو مالوہ کا انتظام سپرد کیا تاکہ وہ مرہٹوں کے سیلاب کو روک سکے۔ نواب کو خاطرخواہ کامیابی ہوئی لیکن امیرالامرا نے اس کو نیچا دکھانے کے لئے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ نواب کی جگہ راجہ جے سنگھ کو مالوہ کا حاکم بناکر بھیجا جائے۔ مالوہ اس لحاظ سے سلطنت کا نہایت ہی اہم علاقہ تھا کہ یہاں مرہٹوں کو بخوبی روکا جاسکتا تھا۔ اور پیچھے ہٹایا جاسکتا تھا لیکن مالوہ اور گجرات جیسے کلیدی علاقوں میں راجپوت راجاؤں کا تقرر انتہائی افسوس ناک اقدام تھا (۴۹) کیونکہ ان کی اکثریت کی مرہٹوں سے سازباز تھی (۵۰)

یہ تھا وہ اخلاقی انتشار اور سیاسی بدنظمی کا دور جس میں شاہ ولی اللہ دہلی میں کام کر رہے تھے۔ ۱۱۴۳ھ میں محمد شاہ کے عہد میں آپ نے حجاز جانے کا ارادہ کیا (۵۱) اس سفر سے ان کا مقصد صرف اعلیٰ تعلیم کا حصول ہی نہیں تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ وہاں اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں بھی روحانی فیض حاصل کرسکیں۔ جس کا وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے تعین نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ برصغیر کے مسلمان اپنی روایات کے منبع (قرآن) سے بالکل کٹ چکے ہیں۔ اور ان میں مذہب کی حرکی روح بیدار کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ انہیں براہ راست یہ آگاہی حاصل ہو کہ قرآن کیا چاہتا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں چنانچہ اس مقصد کے لئے ان کا خیال تھا کہ قرآن مجید کا اچھا سا فارسی ترجمہ بے حد ضروری ہے کہ تمام لوگ، علماء اور عوام سب اس سے استفادہ کرسکیں۔ انہوں نے ایسے ترجموں کی تلاش کی۔ لیکن جب نہ ملا تو ان تمام مقتضیات کو سامنے رکھتے ہوئے خود یہ کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ حجاز کے سفر سے پہلے آپ اس کار عظیم کا آغاز کر چکے تھے

لیکن یہ حج سے واپس دہلی آنے کے پانچ سال بعد ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں مکمل ہوا۔ (۵۲)

شاہ صاحب کا سفر حجاز کا عزم بذات خود ایک انقلابی اقدام ثابت ہوا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ایران اور وسط ایشیا کے مسلمانوں سے تو کافی روابط تھے لیکن حجاز کے لوگوں کے ساتھ ان کے گہرے روابط نہیں تھے۔ اکبر کے زمانے میں ملا عبداللہ سلطانپوری نے فتویٰ دے دیا تھا کہ حج اب فرض نہیں رہا کیونکہ بحر ہند میں یورپی قزاقوں کا خطرہ ہے اور خشکی کے راستے یعنی ایران پر صفوی شیعہ متسلط ہیں۔ (۵۳) شیخ عبدالحق دھلوی (۹۵۹ھ - ۱۰۵۲ھ) نے کمال جرأت سے اس دور میں حج بیت اللہ کا عزم کیا۔ آپ کا قیام حجاز نہ صرف شیخ عبدالحق کے لئے بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے حق میں بے حد مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ حجاز کے علما اور صوفیا کی صحبت سے آپ کے فکر پر بہت دور رس اور تشکیلی اثرات ہوئے۔ اسی قیام حجاز کے دوران میں آپ کا شیخ عبدالوہاب متقی سے رابطہ رہا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ شیخ عبدالحق کے ہاں ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود کے متنازعہ فیہ مسئلہ کے بارے میں متوازن نظریہ ملتا ہے۔ اور اسی قیام کا نتیجہ تھا کہ آپ کو حدیث سے زیادہ شغف پیدا ہوا۔ چھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۰۲۵ میں (حج سے واپسی کے ۲۶ سال بعد) انہوں نے مشکوٰۃ فارسی شرح مکمل کی اور اس کے بعد پوری توجہ کتب حدیث کی اشاعت کی طرف مبذول کر دی۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس وقت کی اخلاقی اور ذہنی انتشار کا یہ واحد اور یقینی تریاق تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی یہی معاملہ تھا (۵۴) جب آپ حجاز میں تشریف لائے تو ملک میں اخلاقی اور سیاسی شدید انتشار اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی (۵۵) لیکن شاہ صاحب کو حسن اتفاق سے یہاں بڑے بڑے علماء اور صوفیا سے استفادہ کا موقع ملا۔ ان میں سے سب سے ممتاز شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی (متوفی ۱۱۴۵ھ) کی شخصیت تھی جنہوں نے علمیت اور تقوی اپنے والد شیخ ابراہیم (متوفی ۱۱۰۱ھ) سے ورثے میں پائی تھی۔ موخر الذکر بہت بڑے عالم اور صوفی گذرے ہیں۔ وہ شافعی فقہی مسلک اور حدیث کے ممتاز عالم تھے۔ مسائل حکمت کے مباحث میں وہ تصوف کے مسلک کو اختیار کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں فلاسفہ محض عقلی استدلالات کی بنا پر حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے دل میں ابن عربی کا بڑا احترام تھا۔ (۵۶) ابو طاہر نے فقہ اور حدیث دونوں میں امتیاز حاصل کیا۔ آپ نے اپنے والد کے علاوہ اور بہت سے علماء مثلاً شیخ حسن عجمی (متوفی ۱۱۱۳ھ) (۵۷) شیخ احمد نخلی (۵۸) اور شیخ عبداللہ بصری (متوفی ۱۱۳۴ھ) (۵۹) جیسے اساتذہ سے تعلیم پائی۔ ان کو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور شیخ عبدالحق دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) کی کتابوں کے مطالعہ کا بھی موقع ملا۔ شیخ عبداللہ لاہوری

حج بیت اللہ کے لئے گئے انہیں ان کتابوں کے مصنفین سے سنداً اجازت حاصل تھی انہی کے ذریعے ابو طاہر کو ان کتب تک رسائی ہوئی۔ آپ بزرگان اسلاف کی طرح تقوی اور اجتہاد سے متصف تھے اور ہمیشہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ بحث میں غیر جانب دار رہیں۔ ایک روز بخاری کے درس میں حدیث اور فقہ کے اختلاف پر بحث چل نکلی۔ شیخ ابو طاہر نے جواب دیا کہ ذات نبوی مختلف عناصر کی جامعیت کے رجحان میں ممتاز ہے چنانچہ ایسے اختلافات کی باآسانی تطبیق ہو سکتی ہے (۶۰) علوم حدیث کی تعلیم اور اجازت کے حصول کے علاوہ شاہ صاحب نے تقریباً تمام سلاسل میں ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا (۶۱) جیسا کہ شاہ صاحب کی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں مذکور ہے، شاہ صاحب نے قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، کبرویہ، شاذلیہ اور شطاریہ تمام سلاسل میں ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ (۱) شاہ صاحب کی شیخ ابو طاہر سے ارادت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ۱۱۴۵ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے ہندوستان کی طرف واپسی کا قصد کیا تو ان کے پاس گئے اور یہ شعر پڑھا۔

نسیت کل طریق کنت اعرفہ

الا طریقاً یؤدنی الی ربعکم

ترجمہ:۔ میں جتنے بھی راستے جانتا تھا سب بھول گیا، صرف ایک راستہ یاد رہ گیا، وہ جو تمہارے آستان کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ شعر سن کر شیخ ابو طاہر زار و قطار رونے لگے ان کے رخسار فرط جذبات سے سرخ ہو گئے اور گلا رندھ گیا۔ شیخ ابو طاہر کی وفات پر ان کے صاحبزادے ابراہیم مدنی کو شاہ ولی اللہ نے جو تعزیتی خط لکھا اس سے شاہ ولی اللہ کی اپنے مرشد و استاد سے عقیدت و ارادت کی گہرائی کا مزید اندازہ ہوتا ہے (۶۲)

دوسرے عالم جن سے شاہ ولی اللہ نے اس قیام کے دوران سماع، قرأت اور اجازہ (۶۳) کے طریقوں سے علوم حدیث کی تحصیل کی، شیخ محمد وفد اللہ تھے جو محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کے صاحبزادے تھے۔ موخرالذکر حافظ حدیث تھے اور انہوں نے پہلی مرتبہ حجاز میں کتب حدیث کی تصحیح کا آغاز کیا۔ شیخ محمد وفد اللہ سے شاہ صاحب نے امام مالک کی الموطا مکمل بروایت یحیٰی بن یحیٰی پڑھی (۶۴) وہاں سے واپس آنے کے بعد اپنے ایک خط میں شاہ صاحب شیخ محمد وفد اللہ کو لکھتے ہیں۔

"آپ کے صاحبزادے شیخ رشید سے معلوم ہوا کہ اوائل عمر میں آپ کی ملاقات شیخ محمد بن علاء البابلی

(متوفی ۱۱۰۷ھ) سے ہوئی تھی (۶۵) جن سے آپ نے تمام احادیث صحیحہ میں اجازت حاصل کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو واقعتہً یہ اعلیٰ ترین سند ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ مجھے بالاختصار اور بالتفصیل اجازت عطا فرمائیں میں یہ بھی التماس کروں گا کہ آپ براہ کرم اپنی اسناد اور اپنی سلسلات متصلہ (سلسلہ اسناد) کی تفصیل بھی لکھیں۔ (۶۶)

تیسرے استاد جن سے شاہ ولی اللہ نے علوم حدیث کی تحصیل کی شیخ تاج الدین قلعی حنفی (م ۱۱۴۴ھ) تھے آپ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے اور آپ نے کئی معروف اساتذہ خصوصاً شیخ ابراہیم کردی سے تعلیم پائی تھی اور ان سے انہیں باقاعدہ اجازت حاصل تھی۔ شاہ ولی اللہ نے بھی ان کے حلقہ درس میں شرکت کی اور بخاری، مؤطا امام مالک کے کچھ حصے، چند فقہی مجامیع، مسند دارمی امام محمد شیبانی کی کتاب الآثار اور ان کی روایت کردہ مؤطا کی باقاعدہ اجازت حاصل کی (۶۷)

شاہ صاحب نے پہلا حج ۱۱۴۳ھ میں کیا۔ اس کے بعد غالباً تین ماہ تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ ربیع الاول ۱۱۴۴ھ میں آپ مولد النبی (مکان جہاں حضور پیدا ہوئے تھے) کی زیارت کے لئے گئے۔ (۶۸) صفر کے مہینے میں آپ نے ایک خواب دیکھا جو اس لحاظ سے بے حد اہم تھا کہ اس سے آپ کی زندگی کا قطعاً نیا باب وا ہوا۔ جیسا کہ ان کی خود نوشت سوانح عمری سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کے سفر حجاز سے قبل کے بارہ سال معقولات و منقولات کی درس و تدریس اور کلام، فقہ اور تصوف کے مختلف مسائل و مباحث پر غور و خوض میں گذرے (۶۹) لیکن اس عرصے میں اغلباً آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔ صرف ایک بات پایۂ ثبوت کو پہنچ سکی ہے کہ آپ نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ لکھوانا شروع کر دیا تھا۔ جو ابھی مکمل نہیں ہو سکا تھا۔ (۷۰) آپ کی تصنیف تالیف کا دور حجاز سے واپس کے بعد شروع ہوا۔ چنانچہ اسی کی طرف اس خواب میں اشارہ تھا۔ جیسا کہ فیوض الحرمین میں ہے کہ

یہ دس صفر ۱۱۴۴ھ کا ذکر ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا کہ حضرات حسن و حسین میرے مکان پر آئے حضرت حسن کے پاس ایک قلم تھا جس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے یہ قلم مجھے دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ یہ نانا کا قلم ہے۔ لیکن پھر ہاتھ روک لیا اور کہا لیکن ذرا حسین کو ٹھیک کر دینے دو۔ یہ اب اتنا اچھا نہیں رہا جتنا اس وقت تھا جب حسین نے پہلی مرتبہ اس کی مرمت کی تھی (۷۱) پھر ان کے سامنے ایک چادر جس پر سفید اور سبز دھاریاں تھیں، رکھی گئی۔ حضرت حسین نے چادر اٹھالی اور یہ کہتے ہوئے کہ یہ

طرف شاہ ولی اللہ کے والد اور چچا عقیدۂ وحدت الوجود کے علمبردار تھے (۸۱) شاہ ولی اللہ کے نزدیک ان مباحث کا روح تصوف کو قائم رکھنے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ خصوصاً وحدت الوجود کے (اس عقیدے کو اگرچہ شاہ ولی اللہ خود صحیح بھی سمجھتے تھے) داعیوں نے بعض امور میں اتنے غلو سے کام لیا تھا کہ وہ تصوف کی مقصد و غایت یعنی تزکیہ نفس سے قطعی دور ہو گئے تھے (۸۲)

۲- چاروں فقہی مذاہب کا اختلاف بھی وجہ نزاع بنا ہوا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت حنفی مسلک کی پیروکار تھی جب کہ اکثر علماء جن سے شاہ صاحب کی ملاقات حجاز میں ہوئی شافعی اور مالکی مسلک سے وابستہ تھے حنفی مسلک سے اپنی وابستگی پر زور دیتے ہوئے (۸۳) شاہ صاحب نے دوسرے مذاہب فقہ کی صحت ثابت کرنے کی بھی کوشش کی (۸۴) بلکہ انہوں نے اس گروہ کو بھی ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جو ان میں سے کسی فقہی مسلک کا بھی قائل نہیں تھا (۸۵) اس کوشش کے پیچھے دراصل یہ روح کارفرما تھی کہ امت مسلمہ کے تنازعات اور اختلافات بحسن وخوبی ختم ہو جائیں (۸۶)

۳- اس کتاب میں اوّل تا آخر تصوف کی روح سرایت کئے ہوئے ہے۔ یہ روح آپ نے والد اور چچا سے ورثے میں پائی تھی جن کی مزید توثیق اور نشوونما قیام حجاز کے دوران میں ہوئی۔ لیکن وہ اپنے دور کی صوفیانہ زندگی کی خامیوں سے واقف تھے۔ انہیں متعدد علمائے حجاز کے تصوف پر اعتراض سننے پڑے اور انہوں نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی طرف سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور وہ اس ممانعت کے حکم سے یہ سمجھے اور اس حکم کی انہوں نے یہ تعبیر کی کہ صوفیا پر یہ اعتراض کرنے والے زیادہ غلط نہیں ہیں اور شاید یہ زیادہ بہتر طریقے سے امت مسلمہ کی خدمت کر رہے ہیں (۸۷) وہ کئی مقامات پر بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ علماء کا طریقہ جسے وہ انبیاء کا طریقہ قرار دیتے ہیں صوفیا کے طریقے سے افضل ہے (۸۸) اس ضمن میں بھی ان کے سامنے بڑا مقصد علماء اور صوفیا کا باہمی نزاع دور کرنا تھا۔ (۸۹) شاہ صاحب کو اس سلسلے میں نبی علیہ السلام کی طرف سے حکم دیا گیا کہ وہ علماء کا طریقہ اختیار کریں (۹۰) کیونکہ جیسا کہ شاہ صاحب نے بیان کیا ہے، رسول اللہ صلعم کو صوفیہ کا طریقہ پسند نہیں ہے(۹۱) اور اس کے فوراً ہی بعد وہ اس کا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر ایک فریق ایک نقطۂ نظر سے دوسرے سے افضل ہے تو دوسرے نقطۂ نظر سے دونوں یکساں صحیح اور مفید ہیں۔ اس لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں رہتی (۹۲)

(۴) ان دونوں شیعہ سنی بحثیں اتنی شدید تھی اور ان بحثوں کے نتیجے میں سیاسی و سماجی دونوں کے دونوں تنازعات اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ شاہ ولی اللہ ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ فقہ کے مذاہب اربعہ کی طرح شیعہ فقہ کو بھی اعلیٰ پیمانے پر جو فقہی امتزاج ہوا اس میں داخل کر لیا جائے۔ (۹۳) فیوض الحرمین میں وہ شیعہ سنی بحث کے صرف ایک پہلو یعنی حضرت علی پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ذاتی طور پر ان کا رجحان حضرت علی کی باقی دو خلفاء پر فضیلت کی طرف ہے (۹۴) لیکن انہیں رسول اللہ صلعم کی طرف سے حضرت علی کے مقابلے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو افضل ماننے کا حکم دیا گیا۔ اور وہ اس لئے جیسا کہ شاہ صاحب اس حکم کی تعبیر کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے انبیاء کا طریقہ اختیار کیا (۹۵)

بہر حال یہاں ایک نقطے کی وضاحت ہونی چاہیئے۔ ایک جگہ شاہ صاحب اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کا منشا تمہارے ذریعہ امت کے بکھرے ہوئے اجزا کو متحد کرنا ہے"۔ اس پر وہ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ انہیں یہ بھی نصیحت کی گئی ہے کہ اولاً وہ ایسی بحثوں میں نہ پڑیں، جن کی وجہ سے دوسرے ان کے موقف کی تردید اور ان کے نقطہ نظر کی مذمت کرنے پر مجبور ہوں اور ثانیاً معمولی مذہبی مسائل (فقہ) میں وہ ایسی راہ اختیار نہ کریں جو امت کے عام مسلک کے خلاف ہو (۹۶) کیا اس نصیحت کا اطلاق شیعوں پر بھی ہوتا ہے، یہ بات مشتبہ ہے۔ اسی طرح وہ ایک جگہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے نزدیک جیسے کہ میں سمجھتا ہوں، فقہ کے تمام مذاہب یکساں طور سے حق پر ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان فقہی مذاہب میں سے کسی کی بھی متابعت نہ کرے، تو اس سے نبی علیہ السلام ناخوش نہیں ہوتے۔ غرض اس بارے میں ان کے ہاں فیصلہ کن امر یہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے امت میں افتراق ہو اور تنازعات اور بحثوں کو سر اٹھانے کا موقع ملے (۹۷) میرا خیال یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اس نصیحت کے معنی یہی لئے کہ اسے صرف اہل سنت کے مختلف مکاتب فکر پر اطلاق کیا جائے۔ اور کم سے کم فکری سطح پر بھی انہوں نے اعلیٰ امتزاج وارتباط کے دائرے میں فقہ کے شیعی نقطہ نظر کو شامل کرنے کے لئے کوئی ٹھوس کوشش نہیں کی۔

(۵) ایک اور بڑا اہم مسئلہ ہے اس کتاب میں، یقیناً مختصر طور پر ہی زیر بحث لایا گیا ہے وہ نمایاں تقسیم ہے جو شاہ صاحب علماء (ارباب) یا ارباب سیاست یعنی روحانی اور دنیاوی خلفاء فرائض منصبی کے درمیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یقیناً ان دونوں کے لئے رسول اللہ صلعم کی زندگی میں نمونہ موجود ہے۔ ارباب سیاست

کے فرائض منصبی یہ بتائے گئے ہیں :- شرعی قوانین کا نفاذ۔ جہاد کے انتظامات کرنا۔ سلطنت کی حدود کی حفاظت، دوسرے ملکوں میں سفارتیں بھیجنا۔ صدقات اور خراج وصول کرنا۔ اور اس طرح جو مال جمع ہو، اسے مستحق حاجت مندوں پر خرچ کرنا۔ قانون کے ذریعہ مقدمات کا فیصلہ کرنا، یتیموں، مسلمانوں کے اوقاف، سڑکوں اور مساجد وغیرہ کی نگہداشت۔ علماء کے فرائض منصبی یہ ہیں :- قرآن و سنت اور شریعت کی تعلیمات کی نشرواشاعت، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ حضرات متکلمین جو بحث و مباحثہ کے ذریعہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے دین کی حفاظت کرتے ہیں، واعظین جو وعظ و نصیحت سے لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں، صوفی جو اپنے ذاتی ارتباط سے لوگوں کے ایمان و یقین میں پختگی پیدا کرتے ہیں اور وہ نیک حضرات جن کی پاک و صاف زندگی دوسروں میں پاکیزہ زندگی گزارنے کا احساس پیدا کرتی ہے، یہ سب طبقہ علماء میں شامل ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب یہ بتاتے ہیں کہ علماء کو چاہیئے کہ وہ ان فرائض منصبی کو ادا کرنے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں اپنے نائب بھیجیں وہ رسول اللہ صلعم کے اسی قسم کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جب آپ نے عرب کے مختلف قبائل کی طرف ابوموسیٰ اشعری ابوذر غفاری اور دوسروں کو بھیجا تھا۔ اس ضمن میں شاہ صاحب کہتے ہیں کہ "نبی علیہ السلام نے خلافت ظاہرہ (دنیوی خلافت) کے دائرۂ کار کی کوئی بھی ذمہ داری ان حضرات کو نہیں دی تھی۔ ان کا فرض منصبی صرف لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دینا تھا۔ (۹۸) ان سطور سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شاہ ولی اللہ چاہتے تھے علماء رسول اللہ صلعم کے عمل کی روشنی میں اس تقسیم کار کی پوری طرح پابندی کریں۔

شاہ ولی اللہ کا دعویٰ ہے کہ انہیں خلافت باطنہ سے سرفراز کیا گیا ہے (۹۹) ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ مجدد، قطب، وصی اور صاحب طریقہ بھی بنائے گئے (۱۰۰)

مکہ میں اپنے آخری حج (۲۱ ذی القعدہ ۱۱۴۴ھ - ۱۱۴۵ھ) سے ایک ماہ پہلے شاہ ولی اللہ نے ایک اور اہم خواب دیکھا، جو ہندوستان اور شاید دوسرے اسلامی ملکوں میں اس وقت جو معاشرتی و سیاسی انتشار برپا تھا، اس کے ردعمل کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے اس خواب میں دیکھا کہ غیر مسلموں کا مسلمانوں پر سیاسی اور فوجی غلبہ ہو گیا ہے، مسلمانوں کی املاک ضبط کر لی گئی ہیں، ان کے بچے غلام بنا لئے گئے ہیں اور ان کے مذہب اور قوانین کی جگہ غیر مسلموں کا مذہب اور ان کے قانون نافذ کر دیئے گئے ہیں (۱۰۱)

اس صورت حال نے شاہ صاحب کے اندر سخت برہمی اور ناراضگی پیدا کردی۔ اور یہ کیفیت، جیسا کہ شاہ صاحب بتاتے ہیں، ملاء اعلیٰ کی اسی قسم کی کیفیت کا عکس تھی۔ پھر ناراضگی کی یہ کیفیت لوگوں کے ایک گروہ میں منتقل ہوجاتی ہے، جو شاہ صاحب کے ارد گرد جمع ہیں۔ یہ لوگ شاہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اب اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ کی کیا مرضی ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں:۔ مجموعی اور مکمل انقلاب

اس کے بعد لوگ پوچھتے ہیں کہ کب تک؟ شاہ صاحب جواب دیتے ہیں:۔ جب تک کہ میری ناراضگی ختم نہ ہو۔ اس پر زبردست لڑائی اور تباہی شروع ہوتی ہے، جس میں ایک شہر کے بعد دوسرا شہر فتح ہوتا اور تباہ کیا جاتا ہے۔ اجمیر فتح ہوتا ہے، اور کفار کے بادشاہ کو شکست ہوتی ہے اور اسے گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے بادشاہ کے حکم سے کفار کا شکست خوردہ بادشاہ قتل کردیا جاتا ہے۔ جب یہ سب کچھ ہوچکتا ہے تو شاہ صاحب کی ناراضگی جاتی رہتی ہے۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ ان مسلمانوں کے دلوں پر جنہوں نے اس لڑائی میں حصہ لیا تھا، اطمینان و سکینت نازل ہوتی ہے۔ اس کے بعد ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ اور پوچھتا ہے کہ ان مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ جو کفار کے ساتھ مل کر اپنے بھائیوں کے خلاف لڑے؟ اس پر شاہ صاحب خاموش رہتے ہیں اور اس سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرتے (۱۰۲)

یہ خواب بڑی خوبی سے شاہ ولی اللہ کے اس غم و رنج اور پریشانی کی عکاسی کرتا ہے جو ان دنوں ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی و معاشرتی انتشار کی وجہ سے انہیں تھی۔ ایک لحاظ سے اس خواب میں ان واقعات کی پیش گوئی کی گئی ہے جو پانی پت کی تیسری جنگ کی شکل میں، جس میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی تھی۔ شاہ صاحب کی آنکھوں کے سامنے (۱۱۷۵ھ — ۶۱-۱۷۶۰ء) رونما ہوئے۔ (۱۰۳)

پانی پت کی تیسری جنگ کا یہ واقعہ ۱۱۴۵ھ سے، جب کہ شاہ صاحب حج کرکے واپس دہلی لوٹے، ابھی کافی دور تھا۔ اور ابھی مکمل تباہی و بربادی کے تیس سال گزرنے باقی تھے۔ یہ وہ فیصلہ کن سال تھا جب مرہٹوں کا خطرہ کافی تشویش ناک ہوگیا تھا۔ انہوں نے گجرات کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا۔ اور بندھیل کھنڈ کو بانٹ لیا تھا۔ اور میواڑ ان کے قدموں میں تھا۔ شاہی افواج ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں ناکام رہیں اور جلد ہی گوالیار سے لے کر اجمیر تک کے علاقے عملاً ان کے تسلط میں آگئے۔ ۱۱۵۰ھ میں باجی راؤ پیشوا کو اتنی جرأت ہوگئی کہ وہ دہلی پہنچا۔ اور اس نے دہلی کے نواحی علاقوں کو لوٹا، یہ حالات

تھے، جب محمد شاہ نے نظام الملک کو دکن سے واپس بلانے کا فیصلہ کیا وہ ۱۱۵۱ھ میں دہلی آیا، جب کہ نادر شاہ کے حملے کے آثار صاف ظاہر تھے (۱۰۴)

امیر الامراء نے راجہ جے سنگھ اور دوسرے راجپوت راجاؤں کو اس نازک وقت میں بادشاہ کی مدد کے لئے کہا، لیکن ان میں سے کسی نے بھی حامی نہ بھری۔ ان امراء کی ذہنیت پر افسوس آتا ہے، جو غیر مسلموں کے خیالات کے نئے رجحان کو سمجھنے سے قاصر تھے، جو تقریباً ہر شخص کے لئے اس وقت ظاہر و باہر تھے۔ شاہ ولی اللہ اپنے مکاتیب میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ غیر مسلم کسی حالت میں بھی مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو وفاداری کے ساتھ نہیں لڑیں گے (۱۰۵)

ان حالات میں نظام الملک نے نادر شاہ سے کسی نہ کسی طرح کا سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی چنانچہ نادر شاہ اس پر راضی ہو گیا کہ اگر اسے پچاس لاکھ روپیہ دیا جائے تو وہ واپس چلا جائیگا۔ اسی گفت و شنید کے دوران خان دوراں کا انتقال ہو گیا۔ اور بادشاہ نے نظام الملک کی خدمات کے پیش نظر اسے امیر الامراء کے منصب پر جس کا وعدہ پہلے سعادت خاں سے کیا گیا تھا، فائز کر دیا، موخر الذکر نے جب یہ سنا تو سخت ناراض ہوا، اور حسد نے اسے اس حد تک اندھا کر دیا کہ وہ نادر شاہ کے پاس پہنچا اور اس کو اپنا مطالبہ اور بڑھانے کا کہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام الملک گرفتار کر لیا گیا۔ اور بادشاہ کو مجبور کر کے اس سے روپیہ نکلوایا گیا۔ اس المیہ کا سب سے ہولناک پہلو باشندگان دہلی کا قتل عام ہے، جس کا ذکر ایک ہم عصر مورخ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

" ایک عرصے تک دہلی کی گلیاں لاشوں سے پٹی رہیں۔ شہر راکھ کا ڈھیر بن گیا اور وہ یوں دکھائی دیتا تھا، جیسے کوئی میدان ہو، جہاں آگ لگ چکی ہو، شہر کے خوبصورت بازار اور اس کی عمارتیں یوں تباہ و برباد ہو گئی تھیں کہ برسوں کی محنت سے ہی اسے اپنی پہلی شاندار حالت پر بحال کیا جا سکتا تھا" جب شہر میں امن قائم ہو گیا، تو حملہ آور فوج نے لوگوں سے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ کوئی گھر بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ شہر کے ہر محلے کو روپیہ دینا پڑا۔ یہ روپیہ نہایت ہی بے رحمانہ طریقے سے جمع کیا گیا لوگوں کو سخت اذیتیں دی گئیں۔ بہت سے لوگوں نے تو خودکشی کر لی، شمالی ہندوستان سے تمام دولت نچوڑ لی گئی۔ صنعت اور تجارت مکمل طور پر اس طرح تباہ ہوئیں کہ ایک عرصہ دراز تک ان کی پہلی حالت بحال نہ ہو سکی (۱۰۶)

نادرشاہ کے حملے کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ مرکزی حکومت کا اقتدار ناقابلِ اصلاح حد تک کمزور ہوگیا۔ علاقوں کے صوبے دار قریب قریب آزاد ہوگئے جب وہ غیر ملکیوں سے معاملات کرتے تو اس کی بھی ضرورت محسوس کی جاتی کہ ان کے بارے میں دہلی کی مرکزی حکومت کی رائے لی جائے، مرکزی حکومت کی یہی کمزوری تھی جو آخرکار سبب بنی۔ سرکش سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں اور سب سے بڑھ کر چالاک اور کسی اصول کی پرواہ نہ کرنے والے انگریزوں کی طاقت کے وجود میں آنے اور بڑھنے کا۔ اس بارے میں شاہ ولی اللہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے فرماتے ہیں" نادرشاہ نے مسلمانوں کی طاقت تو ختم کردی، لیکن اس نے مرہٹوں اور جاٹوں کی طاقت کو قائم رہنے دیا۔ نادرشاہ کے بعد مسلمان افواج کا شیرازہ بکھر گیا اور مرکزی حکومت بچوں کا کھیل بن کر رہ گئی۔" (۱۰۷)

نادرشاہ کی واپسی کے بعد ایرانی اور تورانی پارٹیوں کی آویزش نے بڑی خطرناک صورت اختیار کرلی۔ بادشاہ کے تورانی پارٹی سے شکوک بتدریج بڑھتے گئے اور اس کی وجہ سے اس نے ایرانی پارٹی کی سرپرستی شروع کردی۔ نظام الملک دل برداشتہ ہوکر ۱۱۵۲ھ میں واپس دکن چلا گیا۔ صفدر جنگ جو اودھ کا دوسرا نواب تھا، وہ اب مغل سلطنت کا فی الواقع وزیر بن گیا۔ محمد شاہ کی وفات کے بعد ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ اس کا جانشین ہوا مئی ۱۷۴۸ء میں جب نظام الملک مرا تو صفدر جنگ وزیر اعظم بن گیا۔ اس تقرر سے تورانی ایرانی دوسرے لفظوں میں سنی، شیعہ آویزش اور بھی تیز ہوگئی۔

صفدر جنگ نے اپنی حفاظت کیلئے اپنے دشمن تورانیوں اور روہیلوں کے خلاف مرہٹوں اور جاٹوں سے مدد مانگی۔ اول الذکر گروہ نے اپنی طرف سے اسے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس کو مروانے کی سازش کی اور اس طرح اسے مجبور کیا کہ وہ اپنی جان و عزت بچانے کے لئے وہ اقدام کرے، جو اسے نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ (اور اگر صورتِ حال معمول پر رہتی، تو وہ شاید یہ اقدام نہ کرتا) (۱۰۹) پنجاب کے صوبے دار معین الملک کی، جو اتفاق سے سابق وزیر کا بیٹا تھا۔ بے جا مخالفت کی وجہ سے بدقسمتی سے پنجاب میں بدنظمی اور انتشار پھیلا جس سے سکھوں کو از سرِ نو شورش مچانے کا اس حد تک موقع مل گیا کہ پھر اس کے بعد مغل اس کو کبھی دبا نہ سکے۔ صفدر جنگ نے افغانوں کو پنجاب اور ملتان سے مرہٹوں کی مدد سے نکالنا اور آخرالذکر کو شمالی مغربی صوبوں کا بادشاہ کی طرف سے صوبہ دار مقرر کرنا چاہا۔ یہ اسکیم اگر کامیاب ہوجاتی، تو اس سے مرہٹے شمالی ہندوستان کے فی الواقع حکمران ہوجاتے (۱۱۰) اس قسم کی سازشیں اور جوابی سازشیں اتنی

آگے چل گئیں کہ صفدر جنگ نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کردی اور چھ ماہ تک (۱۱۶۶ھ) ملیں یہ خانہ جنگی جاری رہی، مغل بادشاہ احمد شاہ (۱۱۱) کے ساتھ افغانوں کا نیا ابھرتا ہوا سردار نجیب خاں روہیلہ تھا۔ جس نے آگے چل کر سلطنت کی قابل قدر خدمت کی صفدر جنگ نے اپنی مدد کے لئے مرہٹوں اور جاٹوں کو بلا لیا۔ جنہوں نے دہلی شہر کو بڑی بے رحمی سے لوٹا۔ یہ لوٹ مار اتنی وحشیانہ اور ہمہ گیر تھی کہ دہلی کے باشندے انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک اسے بھلا نہیں سکے۔ (۱۱۲) شاہ ولی اللہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ اس لوٹ مار کا سلسلہ دو ماہ تک چلتا رہا۔ یہ ایک بہت بڑی مصیبت تھی، جس میں مال ومتاع لوٹا گیا اور مکانوں کو جلایا گیا، لیکن" خدا نے مجھے میرے خاندان اور میرے گھر کو ان سے محفوظ رکھا" (۱۱۳)

اس افراتفری کا حقیقی سبب یہ تھا کہ صفدر جنگ احمد شاہ ابدالی کی شخصیت میں افغانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مغل سلطنت کے لئے ایک عظیم خطرہ سمجھتا تھا۔ اور اس کے نزدیک سلطنت کے اندر افغانوں کی آبادیاں، جیسے کہ روہیلے تھے۔ مغلوں کے تاریخی دشمنوں کی فوجی بیرونی چوکیاں تھیں۔ صفدر جنگ مرہٹوں اور جاٹوں کی مدد سے افغانوں سے لڑنا چاہتا تھا۔ اور اس کی یہ پالیسی اس کے دشمنوں کو ناپسند تھی جو افغانوں کے خلاف ہندوؤں سے مدد لینا نہیں چاہتے تھے۔ ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف غیر مسلم، یہ صورت حال اتنی نمایاں اور واضح تھی کہ کوئی شخص بھی ہندوؤں کے حقیقی عزائم سے ناواقف ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ شاہ ولی اللہ اپنے ایک خط میں جو انہوں نے اپریل ۱۷۵۶ء اور جون ۱۷۵۷ء (۱۱۴) کے درمیانی عرصے میں احمد شاہ ابدالی کو لکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ جہاں بھی غیر مسلموں کے ہاتھ میں کہیں طاقت آئی ہے، انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں اور ان کی مساجد کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر وہ بتاتے ہیں کہ جب جاٹوں نے بیانہ کے شہر پر جہاں سات سو سال سے علماء اور صوفیاء رہتے تھے، قبضہ کیا، تو انہوں نے تمام مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا۔ اور جاٹوں کی تمام عملداری میں کسی کو اذان دینے کی اجازت نہ تھی۔ شاہ صاحب آگے چل کر بتاتے ہیں کہ مسلمان خستہ و تباہ حال ہو گئے ہیں۔ چنانچہ تمام عہدے ہندوؤں کے پاس ہیں، جنہوں نے بڑی دولت جمع کر لی ہے۔ اور مسلمان قلاش ہو گئے ہیں۔ (۱۱۵) اپنے ایک اور خط میں جو نجیب الدولہ کے نام ہے، شاہ ولی اللہ نے نہایت واضح الفاظ میں خبردار کرتے ہیں کہ وہ ہندو جو اس کے ہاں ملازم ہیں، وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ

وہ کوئی ایسا قدم اٹھائے جس سے مسلمانوں کے خلاف ان کے مفاد کو نقصان پہنچے (۱۱۶) تاج محمد خاں بلوچ کے نام اپنے ایک دوسرے خط میں شاہ ولی اللہ صاف طور پر بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی طاقت کے کمزور ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی اغراض کے لئے قومی مفادات سے پہلو تہی کی۔ اور ہندوؤں کو اپنے امور میں مداخلت کرنے اور انہیں اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت دی (۱۱۷) شاہ صاحب اسی خط میں لکھتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہندو غیر مسلموں کی تباہی و بربادی پر کبھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ آخر میں وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وسیع القلب ہونا اچھا ہے لیکن جب غیر مسلم ایک شہر کے بعد دوسرا شہر فتح اور مسلمانوں کو تباہ کر رہے ہیں، تو اس مسلک پر چلنا صحیح نہیں (۱۱۸) قدرتی بات تھی کہ صفدر جنگ کی یہ پالیسی کہ غیر مسلموں سے مدد لے کر مسلمانوں کے خلاف لڑا جائے، عام مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ہوتی۔ اس پالیسی کے خلاف شاہ ولی اللہ جتنی شدید نفرت اور بیزاری محسوس کرتے تھے، اس کا اندازہ ان توہین آمیز الفاظ سے ہو سکتا ہے، جو شاہ صاحب نے اپنے مکاتیب میں صفدر جنگ کے متعلق استعمال کئے ہیں (۱۱۹) نظام الملک کا پوتا عماد الملک صفدر جنگ کے بعد وزیر سلطنت بنا لیکن وہ اپنے پیش رو سے ذرہ بھی بہتر نہ تھا۔ عماد الملک نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دی۔ سنی راسخ العقیدہ گروہ کی تائید کے نام سے اس نے مغل دربار میں شیعہ اثر و رسوخ ختم کرنے کی کوشش کی اور محرم کے مہینے میں شیعوں کے جلوس بند کر دیئے، جن کی کہ فرخ سیر کے زمانے سے اجازت چلی آتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دوسری طرف اس کا مرہٹوں سے اتحاد تھا، جو اب تمام شمالی ہند پر چھا جانے چاہتے تھے۔ ان کی مدد سے عماد الملک نے ۱۱۶۷ھ میں احمد شاہ کو تخت سے اتار دیا۔ اور جہاندار شاہ کے ایک بیٹے کو عالمگیر ثانی کا لقب دے کر بادشاہ بنایا گیا۔ پانچ سال بعد عماد الملک نے ۱۱۷۳ھ میں بادشاہ کو نجیب الدولہ سے تعاون کرنے کی بناء پر مار ڈالا اور شاہ جہاں سوئم کا لقب دے کر ایک کٹھ پتلی شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا۔ جب ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ء) میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی تو عماد الملک سورج مل جاٹ کے ہاں پناہ گزین تھا (۱۲۰) احمد شاہ ابدالی نے عالمگیر دوم کے بیٹے علی گوہر کو شاہ عالم کا لقب دے کر تخت پر بٹھایا۔ نجیب الدولہ امیر الامراء بنائے گئے اور وہ دہلی کے نائب السلطنت ہو گئے۔

نجیب الدولہ ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ جادوناتھ سرکار نے ان کی بڑی تعریف کی ہے

وہ لکھتا ہے :۔ نجیب الدولہ محض اپنی ذاتی قابلیت اور مضبوط کردار سے سلطنت کے سب سے بلند منصب پر پہنچے۔ اور پورے دس سال تک اعلیٰ نائب السلطنت کی حیثیت سے سلطنت دہلی کی قیادت کرتے رہے اعلیٰ درجے کی فوجی اور انتظامی صلاحیت، دوسروں سے معاملہ کرنے میں حکمت عملی کی بڑی سوجھ بوجھ اور سلیقہ، اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنے زمانے کے حقائق سیاسیات کے وجدانی ادراک اور اہم چیزوں کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کرنے کی استعداد، ان سب کو بیک وقت اپنی ذات میں جمع کرنے میں احمد شاہ ابدالی کو چھوڑ کر اس دور میں ان کا کوئی مثیل نہ تھا۔ (۱۲۱) لیکن ان کی زندگی کی اس سے بھی زیادہ اہم بات ان کی اسلام اور ہندوستانی مسلم قوم کے مقاصد سے غیر متزلزل وفاداری تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ صفدر جنگ مرہٹوں کے ساتھ مل کر روہیلوں کو تباہ کرنے کی کوششیں کرتا رہا ہے۔ انہوں نے اس میں کوئی قباحت نہ دیکھی کہ وہ اس کے بیٹے شجاع الدولہ کو احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دینے پر، جسے وہ اس سرزمین میں مسلم سیادت کو بحال کرنے کا شاید واحد ذریعہ سمجھتے تھے، آمادہ کریں۔ شجاع الدولہ کو اس کا احساس تھا کہ چونکہ محمد شاہ کے عہد سلطنت میں اس کے باپ آصف الدولہ کی کوششوں سے احمد شاہ ابدالی کو شکست دی گئی تھی۔ اس بنا پر ممکن ہے افغان بادشاہ کے دل میں اس کی طرف سے کچھ کدورت ہو اس لئے وہ اس آنے والی جنگ میں غیر جانب دار رہنا چاہتا تھا، لیکن نجیب الدولہ کی نظر میں یہ جنگ دو شخصوں یا دو گروہوں میں کشمکش سے عبارت نہ تھی، لیکن اس میں تو اس برصغیر میں خود اسلام اور مسلمانوں کے وجود ہی کو چیلنج دیا جا رہا تھا۔ نجیب الدولہ نے ایک راسخ العقیدہ سنی ہونے کے باوجود شجاع الدولہ سے اپنے فرقہ وارانہ اختلافات کو مرہٹوں کے مقابلے میں ایک متحدہ محاذ کی تشکیل میں جسے "وہ اسلام اور کفر کے درمیان تصادم" سمجھتے تھے، حائل نہ ہونے دیا (۱۲۲) شجاع الدولہ کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر اسے مائل کرنے اور اس کو اپنے ساتھ لانے والے آخری الفاظ جو انہوں نے کہے وہ قابل ذکر ہیں انہوں نے کہا "اب تم ان دو چیزوں میں سے ایک کرو۔ یا تو ابدالی کی امداد کے لئے آؤ، یا یہ ہے میری تلوار، اور یہ ہے میری گردن۔ اسے خود اپنے ہاتھوں سے قلم کر دو۔" (۱۲۳) نجیب الدولہ کے یہ اعلیٰ الفاظ اس یقین راسخ کا اظہار کرتے ہیں، جو انہیں اپنے مقصد کے مبنی برحق ہونے کا تھا۔ مسلمان قوم کی حفاظت اور اس کی سالمیت کے لئے ان کا جوش و خروش بڑا موثر ثابت ہوا، اور اس طرح دوسرے بلند پایہ نفوس بھی اس مہم میں ان کے ساتھ ہو گئے۔ اسلام سے نجیب الدولہ کی غیر متزلزل وفاداری کا ایک اور واقعہ سے

اظہار ہوتا ہے، جب مرہٹوں نے پوری طرح سمجھ لیا کہ ان کی شکست یقینی ہے تو بھاؤ نے صلح کر لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے شجاع الدولہ کو ایک سفید کاغذ بھیجا، اور کہلوایا کہ اس پر جو شرطیں چاہو، لکھ دو، میں انہیں منظور کرنے کے لئے تیار ہوں، احمد شاہ ابدالی کا وزیر اس پیش کش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا، اگر بھاؤ رقم کی مقدار اور بڑھا دے۔ جب نجیب الدولہ نے یہ سنا، تو انہوں نے اس کی بہت سخت مخالفت کی اور کہا "میں نے تو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے کمر باندھ رکھی ہے۔" ان کا یہ جرأت مندانہ نقطۂ نظر اور قاضی ادریس کے جنہوں نے اس نقطۂ نظر کی تائید کی تھی، جرأت مندانہ الفاظ، فیصلہ کن ثابت ہوئے اور صلح کی پیش کش کو مسترد کر دیا گیا (۱۲۴) آخر شاہ ولی اللہ کو نجیب الدولہ سے جو بڑی توقعات تھیں وہ بے سبب نہ تھیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نجیب الدولہ نے اپنی زندگی میں اسلام کے ساتھ خلوص و عقیدت کے جس جذبے کا مظاہرہ کیا وہ سارے کا سارا شاہ ولی اللہ کے اثر کا نتیجہ تھا اور شاہ صاحب اپنے خطوط میں نجیب الدولہ کو جو "مجاہدین فی سبیل اللہ کے قائد" کے لقب سے مخاطب کرتے ہیں، تو یہ بھی بے سبب نہیں تھا (۱۲۵)

اس میں شک نہیں کہ مرہٹوں کو معرکہ پانی پت میں (جنوری ۱۷۶۱ء) شکست ہوئی۔ اور شاہ ولی اللہ نے نجیب الدولہ کو اسی سرگرمی کے ساتھ جاٹوں اور سکھوں سے نمٹنے کی نصیحت کی (۱۲۶) لیکن ابدالی اور نجیب الدولہ کی کوششیں اور شاہ ولی اللہ کی دعائیں لب بمرگ سلطنت کی رگوں میں نیا خون ڈال نہ سکیں۔ شمالی ہند میں پانی پت کے اس فیصلہ کن واقعہ سے چار سال پہلے برطانیہ فریب اور سازش کے ذریعہ بنگال کے نوجوان اور ناتجربہ کار حاکم" (۱۲۷) کو پلاسی کے معرکہ جنگ میں شکست دے چکا تھا (۱۱۷۱ھ - ۱۷۵۷ء)۔ اور اس طرح ایک لحاظ سے اس نے ہندوستان میں مسلم اقتدار کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔ نیا مغل شہنشاہ شاہ عالم، جسے ابدالی نے تخت پر بٹھایا تھا۔ اس تخت کے قابل نہ تھا، شاہ ولی اللہ کا ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) میں اپنی کوشش کا کوئی واضح نتیجہ دیکھے بغیر انتقال ہو جاتا ہے۔

اپنی بلند پایہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں اس کتاب کے لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :- وقت آگیا ہے کہ اسلامی شریعت کا ہر پہلو اور اسلام کی ہر تعلیم دنیا کے سامنے معقول رنگ میں پیش ہو - (۱۲۸) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب کا یہ بیان ان

اثرات کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو ان کے نزدیک اس زمانے میں سرزمین ہندوستان میں یورپیوں کی موجودگی کی وجہ سے شاید شاہ صاحب پر پڑے ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ یورپ کے عقلی انقلاب نے علم کے تقریباً تمام شعبوں۔ سائنس، قانون، تعلیمات ٹیکنالوجی، مذہب اور فلسفہ۔ میں عقلیت اور روشن خیالی کو جنم دیا تھا۔ ڈیکارٹ (۱۵۹۶ء۔ ۱۶۵۰ء) کیپلر (۱۵۷۱ء۔ ۱۶۳۰ء) نیوٹن (۱۶۴۲ء۔ ۱۷۲۷ء) والٹیر (۱۶۹۴ء۔ ۱۷۷۸ء) ہابس (۱۵۸۸ء۔ ۱۶۷۹ء) لاک (۱۶۳۲ء۔ ۱۷۰۴ء) سپنوزا (۱۶۳۲ء۔ ۱۶۷۷ء) اور روسو (۱۷۱۲ء۔ ۱۷۷۸ء) جیسے اہل علم نے یورپ کا عقلی ماحول بالکل بدل کر دیا تھا۔ اور مذہب اور سیاسیات کے میدان میں نئے تصورات پیش کئے جا رہے تھے۔ ان پر تنقیدیں ہوتی تھیں۔ اور ان کا دفاع کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اٹھارویں صدی کے شروع کے سالوں میں یہ تصورات مشرق تک نہیں پہنچے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سترھویں صدی کے اواخر اور اٹھارویں صدی کے شروع کے سالوں میں عثمانی ترک اور ایران کے شاہان صفوی پہلے کی طرح سیاسی لحاظ سے اتنے طاقت ور نہیں رہے تھے، لیکن وہ یورپ کے مقابلے میں ابھی اتنے کم تر نہ تھے کہ وہ اس کی طرف، جو وہ پیش کرتا۔ کچھ سیکھنے کے لئے دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتے۔

یورپیوں کا مقامی آبادی کے ساتھ ملنا جلنا ایک لمبے عرصے تک تجارت تک محدود رہا پرتگالیوں کا ایک مشن عیسائیت کی تبلیغ کے لئے اکبر کے دربار میں آیا تھا، لیکن اس کی کوششیں مختصر سی تھیں۔ بعد میں پرتگالیوں کی سمندر اور ساحلی علاقوں میں موجودگی صرف حاجیوں کی آزادانہ آمد و رفت کے لئے ایک پریشان کن عنصر کے طور پر ہی محسوس کی جاتی تھی۔ سر تھامس رو ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) میں اور سر ولیم نورس ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ء) میں ہندوستان آیا اور جان سرمن ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۴ء) میں مغل دربار میں پہنچا (۱۲۹) لیکن ان سب کا آنا سیاسی اور تجارتی اغراض کے لئے تھا۔ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) سے قبل یورپی اور ہندوستانیوں کے درمیان ثقافتی تعلقات کے کسی قسم کے آثار نہیں ملتے۔ اس ضمن میں شاید برنیر کی (جو فرانسیسی مفکر گیندی کا شاگرد تھا) واحد مثال ہے۔ یہ ۱۰۶۹ھ (۱۶۵۹ء) میں ہندوستان آیا اور دہلی میں پانچ چھ سال تک رہا۔ برنیر لکھتا ہے کہ اورنگ زیب کا ایک

درباری نواب دانش مند خاں فلسفہ وحکمت سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ برنیر نے ڈیکارٹ اور گیندی کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے کئے تھے۔ چنانچہ وہ اور نواب فلسفہ کے مسائل پر باہم بحث ومباحثہ کیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ڈیکارٹ نے قرون وسطیٰ کے فلسفے کے مسائل کو ایک نیا نقطہ نظر دیا تھا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ اس معاملے میں امام غزالی کا بہت کچھ رہین منت ہے۔ اور درحقیقت اس کا فکر مسلمانوں کے فکر کا ہی جس کی نمائندگی متکلمین کرتے تھے، ایک تسلسل تھا (۱۳۱)۔ انیسویں صدی کے پہلے دہائے کے کافی عرصہ بعد نئے علوم کا انداز فکر ہندوستان میں محسوس کیا جانے لگا۔

مزید برآں شاہ ولی اللہ نے ۱۱۴۵ھ میں حج کی واپسی کے بعد دس سال کے اندر حجۃ اللہ البالغہ لکھی۔ یہ تصور میں نہیں آسکتا کہ اتنے شروع کے دور میں ان تک یورپی اثرات پہنچنے پائے ہوں۔ یقیناً شاہ صاحب سرزمین ہندوستان میں یورپیوں کی موجودگی سے آگاہ تھے، جیسا کہ احمد شاہ ابدالی کے نام ان کے ایک خط میں یورپیوں کی طرف اشارے سے ظاہر ہوتا ہے۔ (۱۳۲) لیکن اس سے ہمارے لئے یہ دعویٰ کرنے کی وجہ جواز پیدا نہیں ہوتی کہ اس وقت ہندوستان کے باشندوں میں یورپی ثقافت کے اثرات کسی حد تک پھیل گئے تھے۔

حقیقی صورت حال سمجھنے کے لئے شاہ صاحب نے "عقلی استدلال" کے ضمن میں جو لفظ استعمال کیا ہے ہمیں اس کے صحیح مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کرلی چاہیئے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کے لئے جو خاص لفظ استعمال کیا ہے وہ "برہان" ہے جس کے معنی ایک چیز کی عقلی بنیاد کے ہیں، شاہ صاحب کی دوسری کتاب تفہیمات (جلد اول نمبر ۳) کے حوالے سے ہم بآسانی اس لفظ "برہان" کے مفہوم کو سمجھ سکتے ہیں شاہ صاحب یہاں اپنے آپ کو وصی سے موسوم کرتے ہیں۔ جس کی تعریف وہ یوں کرتے ہیں کہ وہ شخص جو شریعت وغیرہ کے قوانین کے حقیقی اسرار کو سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے اور جو مجدد اور ولی کی طرح انبیاء کا وارث ہوتا ہے اور قوانین الٰہی کی ایسی زبان اور ایسے انداز میں وضاحت کر سکتا ہے، جو اس کے زمانے میں مروج ہوتے ہیں۔ جس زمانے میں لوگ فصاحت وبلاغت سے شغف رکھتے ہیں، وصی، مجدد اور ولی فصیح وبلیغ عبارت میں ان سے خطاب کرتا ہے۔ اور جب لوگوں کی توجہ عقلی استدلال کی طرف ہوتی ہے، تو وہ شریعت کے قوانین کی شرح ووضاحت معقولات سے کرے گا۔

اس اصول کی تشریح کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ وصی (یعنی شاہ صاحب) اس زمانے میں پیدا ہوا ہے جس کی تین امتیازی خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت ہے برہان۔ یہ یونانی فلسفہ کے اثر اور ندوہ کے ہاں علم کلام کے میدان میں اس پر ضرورت سے زیادہ جو توجہ دی گئی ہے، اس کی وجہ سے ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ عقائد کے متعلق جو بھی بحثیں ہیں ان میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک استدلالات عقلی سرایت کئے ہوئے ہیں (۱۳۳) اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جب شاہ ولی اللہ مذہب کے مطالعہ کے سلسلے میں عقلی استدلال سے کام لینے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد یورپی فکر میں عقلی استدلال کا جو مفہوم ہے، وہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مفہوم ہوتا ہے جو علم کلام کے بارے میں قدماء اور ان کے بعد کے مصنفین کے ہاں مروج تھا۔

اس سلسلے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں وجدان پر زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مشرق اور مغرب کے لوگوں نے صوفیہ کو اپنا مرشد و رہنما قبول کر رکھا ہے۔ اور وہ ان کے اقوال و افعال کو ہر چیز یہاں تک کہ قرآن و حدیث پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ جو شخص کہ صوفیہ کی زبان میں بات نہیں کرتا، اسے سرے سے نیک آدمی ہی نہیں سمجھا جاتا۔ مسجد میں وعظ کرنے والا انہی کے تصورات کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو مسائل انہوں نے چھیڑ رکھے ہیں، ایک عالم انہی پر غور و فکر کرتا ہے، یہاں تک کہ دولت مندوں کی محفلوں میں بھی ان باطنی مشاہدات پر گفتگوئیں ہوتی ہیں جنہیں ان صوفیہ نے مخصوص زبان و اصطلاحات میں جو وہ استعمال کرتے ہیں، پیش کیا ہے۔

اس سلسلے کی تیسری امتیازی خصوصیت علوم نقلیہ سے شغف ہے۔ لیکن اس زمانے میں لوگ عجیب و غریب آزادروی کا اظہار کرتے اور اپنی آراء پر چلتے ہیں۔ اگرچہ وہ علم میں ماہر نہیں اور مسائل و بینیہ سے بالکل ناواقف ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ شریعت کے قوانین کے گہرے مفہوم کو جاننے پر تلے ہوئے ہیں اور قیاس آرائیوں کی طرف اپنے میلان کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر شخص نے اپنی ایک رائے قائم کر لی ہے اور وہ اس پر چلتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر جگہ تنازعات اور اختلافات نے سر اٹھا رکھا ہے۔ اور ان میں مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

شاہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں ایک ایسا طریقہ عطا ہوا ہے جس سے وہ شریعت کے قوانین کی اس طرح تشریح کر سکتے ہیں کہ یہ نزاع دور ہو جائیں۔

شاہ صاحب کا یہ طریقہ مشتمل ہے (۱) عقل و برہان (۲) وجدان (۳) نقل پر وہ اپنے زمانے کے مروجہ علوم پر پوری طرح حاوی تھے۔ اس لئے وہ اپنے خیالات ایسی زبان میں پیش کرتے جس سے لوگ متاثر ہوتے (۱۴۴)

حوالہ جات و حواشی

۱۔ ان معلومات کا ماخذ تمام تر شاہ ولی اللہ کی تصنیف "انفاس العارفین" مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۵ھ ہے۔ یہ کتاب سات مختصر رسالوں پر مشتمل ہے۔ پہلے دو اجزا میں آپ کے والد اور چچا کے حالات اور مشاغل کا ذکر ہے۔ تیسرے جز میں دیگر اسلاف کا مختصر تذکرہ ہے۔ چوتھے جز میں ننھیال کا ذکر ہے۔ پانچویں جز میں اپنی والدہ کے خاندان کا اور آخری حصے میں حجاز کے اپنے اساتذہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

حافظ رحیم بخش کی تصنیف "حیات ولی" (مطبعہ سلفیہ، لاہور ۱۹۵۵) کی معلومات کی بنیاد بھی تمام تر "انفاس العارفین" پر ہے۔ اگرچہ کچھ اور ماخذ سے بھی مصنف نے استفادہ کیا ہے۔

۲۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں (انفاس العارفین ص ۱۵۹) جو بھی اہم مسلمان شخصیت بیرون ہند سے ان قصبات میں وارد ہوتی اس سے قصبہ کی سیاسی اور شہری زندگی میں بحیثیت قاضی، محتسب، یا مفتی کے اعزازی طور پر حصہ لینے کے لئے کہا جاتا۔

۳۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ غالباً "عبد القادر" یا "قوام الدین" سے بدل کر یہ صورت بن گئی۔ (انفاس۔ ص ۱۵۹)

۴۔ انفاس العارفین۔ صفحات۔ ۱۶۰ - ۱۶۱

۵۔ ایضاً صفحات ۱۶۲ - ۱۶۷

۶۔ راجی شاہ، شیخ حسام الدین مانک پوری کے مرید اور خلیفہ تھے اور مؤخر الذکر بنگال کے بزرگ شیخ نور قطب عالم (متوفی ۸۱۳ھ) کے خلیفہ تھے۔ یہ قطب عالم ان شیخ قطب عالم سے الگ شخصیت ہیں جن کی پوتی شاہ ولی اللہ کی نانی تھیں۔

۷۔ حیات ولی (ص ۳۰۳) میں یہ سن ۱۰۵۴ھ بتایا گیا ہے اور سن وفات ۱۱۳۱ھ

بیان کیا گیا (کیونکہ عمر ۷۷ برس لکھی گئی ہے)

۸- ایضاً ص ۳۲۰

۹- ان میں سے بعض نکات پر تفصیلی بحث انفاس العارفین کے صفحات ۹۹ اور ما بعد میں موجود ہے۔

۱۰- لکھتے ہیں "بعض اوقات محض لا الہ الا اللہ کے وردسے یا وجد میں آدمی وحدت الشہود کی حالت میں پہنچ جاتا ہے لیکن اس کا اعتبار نہیں (انفاس العارفین ص ۱۰۹)

۱۱- انفاس العارفین ص ۹۸

ایک اور جگہ (ص ۱۰۱) لکھتے ہیں کہ شیخ ابو رضا نے ایک مرتبہ ایک منتخب حلقے میں عقیدہ وحدت الوجود پر روشنی ڈالی اور تائید میں متکلمین کے طرز پر استدلال کیا اور احادیث پیش کیں لیکن ساری بحث میں "وحدت الوجود" کی متنازعہ فیہ اصطلاح استعمال نہیں کی۔ چنانچہ ہر شخص نے آپ سے اتفاق کیا۔

۱۲- ایضاً ص ۱۵

۱۳- ایضاً ص ۱۴- مرزا محمد زاہد شاہجہانی عہد کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے فلسفہ اور کلام کی بہت سی امہات الکتب کی شروح لکھیں۔ تصوف میں آپ کا مسلک نقشبندی تھا۔ آپ کو ملا محمد فاضل بدخشانی اور ملا صادق حلوائی کابلی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فلسفہ کی تعلیم آپ نے ملا مرزا جان شیرازی سے پائی تھی۔ حکمت میں آپ کے استاد ملا محمد یوسف تھے جو اس فن کے امام تھے (ایضاً ص ۳۴)

۱۴- ایضاً ص ۳۲

۱۵- بیان کیا جاتا ہے کہ نقشبندی صوفی خواجہ ہاشم، بخارا سے آئے تو اسی کوچے میں رہنے لگے جہاں شاہ عبدالرحیم رہتے تھے۔ وہ شاہ صاحب سے بہت [illegible] آپ نے شاہ صاحب کو ایک دعا بھی یاد کرانے کی کوشش کی، جو ان کے نزدیک بڑی موثر تھی۔ شاہ عبدالرحیم کی عمر اس وقت نو یا دس سال کی تھی (ایضاً ص ۴)

۱۶- خواجہ باقی باللہ (متوفی ۱۰۱۲ھ) کے چھوٹے صاحبزادے خواجہ خورد، والد کی وفات پر آپ نے

تصوف وسلوک کی تربیت کا آغاز شیخ احمد سرہندی سے کیا، جن سے آپ کو اجازت حاصل ہوئی۔ بعد میں آپ خواجہ باقی باللہ کے مریدین خواجہ حسام الدین اور شیخ اللہ داد سے وابستہ ہو گئے (ایضاً ص ۱۸) خواجہ حسام الدین (متوفی ۱۰۴۳ھ) خواجہ باقی باللہ کی وفات کے بعد شیخ احمد سرہندی کے حلقہ میں داخل ہو گئے تھے۔ دیکھئے رود کوثر، مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۲۰۵

۱۷۔ سید عبداللہ اپنے زمانے میں قرآن کے بہترین قاریوں میں شمار ہوتے تھے آپ نے فن قرأت پنجاب کے ایک صوفی بزرگ سے سیکھا تھا۔

۱۸۔ شاہ ولی اللہ کی اس تعبیر سے اتفاق ذرا مشکل ہے۔ خواجہ خورد اور خواجہ حسام الدین دونوں شیخ احمد سرہندی کے مرید تھے۔ حافظ عبداللہ شیخ آدم بنوری کے مرید تھے جو کہ شیخ احمد سرہندی کے اور ان کے خلیفہ تھے اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیخ عبدالرحیم کا رجحان عقیدہ وحدت الوجود کی طرف تھا۔ شیخ احمد سرہندی اور ان کے مریدے اس عقیدے پر تنقید کی تو قدرتی طور پر شیخ عبدالرحیم نے دوسرے مریدوں کو ترجیح دی۔

۱۹۔ انفاس العارفین ص ۷۷

۲۰۔ مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم ۔۔۔ (۵۸ - ۷)

۲۱۔ قل کلٌ من عند اللہ۔ (۴ - ۷۸) وما بکم من نعمۃ فمن اللہ (۱۶ - ۵۳)

۲۲۔ کل شیٔ ھالک الا وجھہ (۲۸ - ۸۸) ھو الاول والآخر والظاھر والباطن (۵۷ - ۳) ۔ اس بحث کی تفصیل انفاس رحیمیہ (مطبع احمدیہ، دہلی) ص ۳-۱۰ میں ملاحظہ ہو۔

۲۳۔ انفاس العارفین، صفحات ۸۲ - ۸۳

۲۴۔ شبلی، سیرت النعمان (مطبوعہ ثناء اللہ، لاہور) صفحات ۱۱۲ - ۱۱۳

۲۵۔ انفاس العارفین۔ ص ۷۰

۲۶۔ ایضاً ص ۶۹، ۷۰

۲۷۔ ایضاً۔ ص ۶۹

آپ نے مشہور چشتی صوفیہ کا یہ قول نقل کیا "جن کا نام سلاطین کے دربار میں لکھا گیا اس کا نام دربار خداوندی سے خارج کر دیا گیا۔"

۲۸- ایضاً ص ۴۰۴

۲۹- شاہ ولی اللہ نے شیخ عبدالرحیم کے اقوال انفاس العارفین میں صفحات ۸۵، ۸۹ پر درج کئے ہیں۔

۳۰- ایضاً ص ۸۵

۳۱- ایضاً ص ۴۵

۳۲- ایضاً ص ۵۵

۳۳- آپ کا دوسرا نام قطب الدین احمد تھا۔ یہ نام ان صوفی بزرگ کے نام پر رکھا گیا تھا جنہوں نے شاہ عبدالرحیم کو ایک بیٹے کی بشارت دی تھی اور کہا تھا کہ میرے نام پر اس کا نام رکھنا۔ آپ کا تاریخی نام "عظیم الدین" تھا۔ (ایضاً - ص ۴۴)

۳۴- ایضاً ص ۴۶

۳۵- آپ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد اکثر کہا کرتے تھے کہ میری تو خواہش ہے کہ اپنا سارا علم تمہارے دل میں اتار دوں۔ شاید یہی وجہ تھی، جیسا کہ شاہ صاحب نے اشارۃً کہا ہے، کہ بغیر کسی دقت کے علوم متداولہ کی تکمیل کر لی۔

۳۶- شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی شادی کی تعجیل کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ آپ کے والد کو القا ہوا تھا اس لئے انہوں نے اصرار کیا کہ جتنی جلد ممکن ہو شادی ہو جائے۔ چنانچہ آپ کی شادی کے فوراً بعد آپ کے بہت سے اقربا جن میں آپ کے چچا ابو الرضا محمد بھی تھے، وفات پا گئے۔ چند سال بعد آپ کے والد کا بھی انتقال ہو گیا (انفاس العارفین، ص ۲۰۲)

۳۷- ایضاً ص ۲۰۳

۳۸- ایضاً صفحات ۲۰۳، ۲۰۴

۳۹- ایضاً ص ۸۷

۴۰- حفیظ ملک "برصغیر ہند و پاکستان میں مسلم قومیت" (انگریزی) ص ۱۰۴

آپ نے مشہور چشتی صوفیہ کا یہ قول نقل کیا "جس کا نام سلاطین کے دربار میں لکھا گیا اس کا نام دربار خداوندی سے خارج کر دیا گیا۔"

۲۸۔ ایضاً ص ۲۴۰

۲۹۔ شاہ ولی اللہ نے شیخ عبدالرحیم کے اقوال انفاس العارفین میں صفحات ۸۵، ۸۶ پر درج کئے ہیں۔

۳۰۔ ایضاً ص ۸۵

۳۱۔ ایضاً ص ۴۵

۳۲۔ ایضاً ص ۵۵

۳۳۔ آپ کا دوسرا نام قطب الدین احمد تھا۔ یہ نام ان صوفی بزرگ کے نام پر رکھا گیا تھا جنہوں نے شاہ عبدالرحیم کو ایک بیٹے کی بشارت دی تھی اور کہا تھا کہ میرے نام پر اس کا نام رکھنا۔ آپ کا تاریخی نام "عظیم الدین" تھا۔ (ایضاً۔ ص ۴۴)

۳۴۔ ایضاً ص ۴۷

۳۵۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد اکثر کہا کرتے تھے کہ میری تو خواہش ہے کہ اپنا سارا علم تمہارے دل میں اتار دوں۔ شاید یہی وجہ تھی، جیسا کہ شاہ صاحب نے اشارۃً کہا ہے، کہ بغیر کسی دقت کے علوم متداولہ کی تکمیل کر لی۔

۳۶۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی شادی کی تعجیل کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ آپ کے والد کو القا ہوا تھا اس لئے انہوں نے اصرار کیا کہ جتنی جلد ممکن ہو شادی ہو جائے۔ چنانچہ آپ کی شادی کے فوراً بعد آپ کے بہت سے اقربا جن میں آپ کے چچا ابو رضا محمد بھی تھے، وفات پا گئے۔ چند سال بعد آپ کے والد کا بھی انتقال ہو گیا (انفاس العارفین، ص ۲۰۲)

۳۷۔ ایضاً ص ۲۰۳

۳۸۔ ایضاً صفحات ۲۰۳ - ۲۰۴

۳۹۔ ایضاً ص ۸۷

۴۰۔ حفیظ ملک "برصغیر ہند و پاکستان میں مسلم قومیت" (انگریزی) ص ۱۰۴

۴۱۔ کیمبرج تاریخ ہند (انگریزی) جلد چہارم ص ۳۲۲

۴۲۔ شیخ محمد اکرام "مسلم تہذیب کی تاریخ (انگریزی) صفحات ۳۲۸ - ۳۲۹

۴۳۔ کیمبرج تاریخ ہند جلد چہارم ص ۳۲۹

۴۴۔ شاہ عباس ثانی نے دکن کے حکمرانوں کو اورنگ زیب کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا دیکھیے عزیز احمد "ہندوستانی ماحول میں اسلامی ثقافت کا مطالعہ" (انگریزی) ص ۳۴

۴۵۔ بہادر شاہ (عہد حکومت ۱۱۱۹ھ - ۱۱۲۵ھ) نے فرمان جاری کیا کہ جمعہ کے خطبات میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "وصی" کا لفظ بڑھایا جائے۔ یعنی جمہور سنی عقیدہ کی تردید کی گئی جس کی رو سے خلافت حضرت ابو بکر کا جائز حق ہے۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب بہادر شاہ لاہور میں سکھوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ بہادر شاہ کے اس غیر دانشمندانہ اقدام پر لاہور میں اشتعال پیدا ہو گیا اور لوگ بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جسے بڑی سختی سے فرو کر دیا گیا۔

شیخ محمد اکرام "مسلم تہذیب کی تاریخ" انگریزی ص ۳۳۳

"تحریک آزادی کی تاریخ" انگریزی جلد اول ص ۸۵

۴۶۔ حفیظ ملک، مرجع سابق ص ۱۰۴

۴۷۔ یوسف حسین "نظام اوّل" (انگریزی) ص ۱۲۸

۴۸۔ خلیق احمد نظامی "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" صفحات ۹۴ - ۹۵

۴۹۔ شاہ ولی اللہ نے ابدالی کے نام اپنے مشہور مکتوب میں ان صوبوں کی اہمیت پر کافی روشنی ڈالی ہے جن کو تاہ اندیش مغل تاجداروں نے ان صوبوں کی ولایت غیر مسلموں کو دے دی۔ (ایضاً ص ۹۹)

۵۰۔ محمد خاں بنگش کے عہد ولایت میں راجہ جے سنگھ نے کسی نند لال چودھری کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔ "تم ہزار ہا ہزار ستائشوں کے قابل ہو کہ تم نے اور تمہارے سرداروں نے میرے ایک ہی اشارے پر مغلوں کو مالوہ سے نکال کر ہمارے مذہب کی حفاظت کی۔۔"

یوسف حسین، مرجع سابق۔ صفحات ۱۶۸ - ۱۶۹

۵۱۔ آپ کے اس سفر میں آپ کے دوست اور رفیق کار محمد عاشق پھلتی بھی شریک تھے۔ دیکھیے

شاہ عبدالعزیز محدث "عجالۃ النافعہ" (فارسی) ص ۲۲ اور فیوض الحرمین اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۱۳۰

۵۲- مقدمہ تفسیر فتح الرحمن حیات ولی (ص ۱۸۱م) حاشیہ صفحہ ہذا و مابعد کے مصنف رحیم بخش نے جو کہانی بیان کی ہے کہ قرآن کے فارسی ترجمہ کی وجہ سے اس زمانے کے رجعت پسند ملّا آپ کے مخالف ہوگئے اور آپ کے قتل کے درپے ہوگئے۔ سراسر مصنوعی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا سفر حجاز بھی جیسا کہانی میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طوفان افتراء بہتان سے فرار کے لئے نہیں تھا۔ درحقیقت آپ کا حج کا سفر روحانی سلوک و تربیت کا حصہ تھا۔ قرآن کا ترجمہ، جیسا کہ مصنف نے خود بیان کیا ہے، حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد مکمل ہوا۔

۵۳- ردِ کوثر، ص ۹۰

۵۴- فیوض الحرمین ص ۱۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ کعبہ خدا کی تدلیات کا ایک ظہور ہے لہذا تقرب الی اللہ کا ایک وسیلہ ہے۔ حج بیت اللہ تقرب الی اللہ کے سفر کی آخری منزل ہے۔

۵۵- مکہ کے اس دور کی حالت کے لئے دیکھئے جیرالڈ دوگاری "مکہ کے حکمران" (انگریزی) (لندن ۱۹۵۱) صفحات ۱۶۵ و مابعد- عثمانی ترکوں اور شاہان صفویہ کی جنگوں کا اثر حجاز کے لوگوں پر بھی بہت گہرا پڑا تھا۔ دیکھئے ایضاً صفحات ۱۶۶- ۱۶۷

۵۶- انفاس العارفین صفحات ۱۹۱- ۱۹۲

۵۷- آپ شیخ الحدیث تھے اور آپ کو شیخ نعمت اللہ قادری اور دوسرے صوفیا سے شرف ملاقات حاصل تھا۔ آپ فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے لیکن عملاً اپنی اجتہادی رائے بھی رکھتے تھے۔ سفر کے دوران ہمیشہ ظہر اور عصر، اور مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع فرماتے تھے۔ اسی طرح امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے۔ حالانکہ دونوں باتیں حنفی فقہ میں ممنوع ہیں (ایضاً ص ۱۹۳- ۹۵)

۵۸- آپ علوم باطنی و ظاہری دونوں کے فاضل تھے۔ علوم حدیث کے جید عالم تھے بخاری اور موطا آپ کا مخصوص موضوع تھے۔ سلاسل طریقت میں نقشبندی طریق کو ترجیح دیتے تھے۔ (ایضاً- صفحات ۱۹۵ - ۹۷)

۵۹- آپ نے ساری عمر کتب حدیث خصوصاً امام احمد کی کتب کی حفاظت کے لئے وقف کر دی۔

آپ نے حفاظت حدیث کے قدیم طریقے یعنی حفظ یا دکرنے اور اسے شاگردوں کو منتقل کرنے کا احیاء کیا

۶۰۔ شیخ ابوطاہر کی اسی بصیرت نے شاہ ولی اللہ کو بہت متاثر کیا شاہ صاحب کی پوری زندگی کا کارنامہ اسی بنیادی حقیقت کا عملی مظہر نظر آتا ہے۔

۶۱۔ "انتباہ" صفحات ۱۶، ۲۹، ۱۰۱، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۴- ۱۳۷

مزید دیکھئے انفاس العارفین ص ۲۰۴

ان تمام سلسلوں میں شیخ ابوطاہر کو بیعت و تلقین کی اجازت اپنے والد شیخ ابراہیم سے ملی تھی۔ ان کو شیخ احمد قشاشی (متوفی ۱۰۷۱ھ) اور ان کو شیخ احمد شناوی (متوفی ۱۰۲۸ھ) سے حاصل تھی۔ دونوں حضرات علوم حدیث کے فاضل اور بہت بڑے صوفی تھے اور دونوں ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے لیکن اس طرح کہ شریعت کی مخالفت نہ ہونے پائے۔ (انفاس ص ۸۵)

۶۲۔ انفاس العارفین، ص ۲۰۰، "حیات ولی" صفحات ۵۱۳- ۵۱۷- اس میں شاہ ولی اللہ کا شیخ ابراہیم مدنی کے نام مکتوب کا مکمل متن درج ہے۔ اس کے علاوہ مکتوبات میں بھی انہی جذبات کا اظہار ملتا ہے۔ دیکھئے "حیات ولی" صفحات ۵۱۸- ۲۶

۶۳۔ یہ تعلیم حدیث کی چند صورتیں ہیں۔ "سماع" میں شاگرد کسی محدث کے درس میں حاضر ہوتا ہے یہ درس روایت حدیث کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور املا کی صورت میں بھی۔ طریقۂ قرأت میں طالب علم محدث کے سامنے احادیث پڑھتا جاتا ہے جن کی روایت یا املا اس محدث نے کی ہوتی ہے۔ یا یہی روایات کوئی طالب علم استاد کے سامنے پڑھے اور یہ سنے "الاجازہ" اجازت کے حصول کو کہتے ہیں جب کوئی محدث اپنے مجموعے یا املا کی روایت کی کسی کو اجازت دے۔

دیکھئے محمد زبیر صدیقی، "ادب حدیث" (انگریزی) (کلکتہ یونیورسٹی، ۱۹۶۱) صفحہ ۱۵۸

۶۴۔ انفاس العارفین ص ۱۹۱

۶۵۔ شمس الدین محمد بن علاء البابلی حافظ حدیث تھے۔ مؤطا اور بخاری میں انہیں متصل اسناد سے اجازت حاصل تھی اس طرح دوسری کتب حدیث میں بھی درجۂ فضیلت حاصل تھا۔

(انفاس العارفین۔ صفحات ۱۸۹- ۱۹۰)

۶۶۔ حیات ولی، صفحات ۵۲۸- ۵۲۹

۶۷ - انفاس العارفین، صفحات ۲۰۱ - ۲۱۰

۶۸ - فیوض الحرمین صفحات ۹۹، ۱۱۵

۷۰ - یہ ترجمہ ۱۱۵۰ھ میں - حج بیت اللہ سے واپسی کے تقریباً پانچ سال بعد پایہ تکمیل کو پہنچا دیکھئے فارسی ترجمہ قرآن کا مقدمہ

۷۱ - اپنی دوسری کتاب الدرالثمین (عربی) میں، جس میں حضور صلعم سے مبشرات درج کئے ہیں، یہ جملہ اس سے ذرا مختلف انداز میں اس طرح مندرج ہے۔

"حسین کو ٹھیک کر لینے دو کیونکہ کوئی شخص حسین سے زیادہ خوبصورتی سے لسے ٹھیک نہیں کر سکتا"

دیکھئے رسالہ "الفرقان" (شاہ ولی اللہ نمبر) ۱۳۵۹ھ ص ۲۱۴

یہاں قلم سے حقیقتاً وہ قلم مراد ہے جو مشرق میں لکھنے کے لئے مستعمل تھا۔ اسے نرسل سے چاقو سے تراش کر بنایا جاتا تھا تاکہ اسے موزوں قط پر رکھا جا سکے۔

۷۲ - فیوض الحرمین صفحات ۹۹ - ۱۰۰

مزید دیکھئے "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" ص ۱۵۸

۷۳ - "الفرقان" محولہ بالا۔ ص ۲۱۸

"شرح صدر" قرآنی اصطلاح ہے (۶:۱۲۶، ۲۰: ۲۵، ۹۴: ۱)

اس سے مراد ہے کہ (۱) حکمت کے ذریعہ دل کی تنویر تاکہ دل میں الہامات ربانی کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے (۲) زندگی میں آئندہ جو مخالفت اور آلام پیش آنے والی ہیں ان کو صبر و استقلال سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو۔

دیکھئے رقم ۲۷۶۱ (ص ۱۱۸۷) محمد علی۔ انگریزی ترجمہ قرآن کریم لاہور ۱۹۵۱)

بارھویں مبشرہ میں شاہ ولی اللہ خود لکھتے ہیں کہ ان کو فقہ اور اصول کی بنیادی روح کی استعدادات کے مطابق حالات اور عوام الناس کی تخریج، تفہیم اور توضیح کا ملکہ عطا ہوا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۹۴)

۷۴ - ملفوظات، صفحات ۵۸ - ۵۹

۷۵ - ایضاً - "معارف" سے مراد وہ علم ہے جو کشف سے حاصل ہوتا ہے - جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے وضاحت کی ہے کہ شاہ صاحب کو کشف اور مراقبہ میں جو مشاہدہ ہوتا تھا

اسے من و عن لکھ لیتے تھے۔" ایضاً ص ۱۰۰

۷۷۔ یہ تقسیم اکثر مشاہدات کے بارے میں قطعی ہے، جو کسی نہ کسی مقام کی طرف معین اشارے پر مبنی ہے۔ لیکن بعض دوسرے مشاہدات کے متعلق یہ ظن ہے۔

۷۸۔ شاہ صاحب کی کتابوں کی تصنیف کی تاریخی ترتیب، داخلی یا خارجی شہادتوں کی بنا پر بہت مشکل ہے۔ ان کی کتابوں میں کہیں کہیں اس سے پہلے لکھی ہوئی کتابوں کے حوالے مل جاتے ہیں مثلاً فیوض الحرمین میں صرف ایک کتاب "القول الجمیل" (ص ۲۳۸) کا ذکر ہے۔ اغلباً قرآن کا فارسی ترجمہ جو حج بیت اللہ سے واپسی کے پانچ سال بعد ۱۱۵۰ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، ان کتابوں سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔

۷۹۔ فیوض الحرمین، ص ۲۲۶

۸۰۔ دیکھئے "کلمات طیبات" (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ) صفحات ۱۶ و مابعد اس میں مرزا مظہر جانجاناں اور دوسروں کے وہ خطوط ہیں جن میں وحدت الشہود کی عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے۔

۸۱۔ دیکھئے انفاس العارفین صفحات ۳، ۱۵۷

۸۲۔ فیوض الحرمین صفحات ۵۳-۵۷

۸۳۔ ایضاً صفحات ۱۷۵- ۱۷۶- ۲۲۰- ۳۳۷

۸۴۔ ایضاً صفحات ۱۲۳- ۱۲۵

۸۵۔ ایضاً صفحات ۱۲۴- ۱۲۶

یہ مکتب فکر بعد میں اہل الحدیث کہلایا۔

۸۶۔ ایضاً ص ۱۲۵ ۔ ۸۷۔ ایضاً صفحات ۱۷۹- ۱۸۰

۸۸۔ ایضاً صفحات ۱۸۱- ۱۸۴۔ ۸۹۔ ایضاً ص ۱۲۸

۹۰۔ ایضاً ص ۲۲۱ ۹۱۔ ایضاً ص ۱۸۱

۹۲۔ ایضاً صفحات ۸۱- ۸۲

۹۳۔ بعض اصحاب نے اکثر یہ دعویٰ کیا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے "ایسے خطوط عمل متعین کئے تھے جن سے مذہبی تفرقات کے دور کرلینے میں بہت ممکن تھی اور جس سے ایک مشترک اور متحد قومیت کی تشکیل کے

امکانات پیدا ہوئے تھے"۔ دیکھئے شیخ محمد اکرام کا مقالہ "شاہ ولی اللہ" مشمول "تحریک آزادی کی ایک تحریک"
(انگریزی)، جلد اول ص۴۹۹ - یہ رائے شاہ ولی اللہ کی تصنیفات کے سطحی مطالعہ پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔
ازالۃ الخفا، قرۃ العینین، اور کلمات طیبات میں شاہ صاحب کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ ولی اللہ شیعوں
کو زندیق، نوابط، اور مبتدع کہتے ہیں یعنی بے دین اور بدعتی۔ یہی کچھ شیخ احمد سرہندی فرماتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے
اس موضوع پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں تمام تر سنّی موقف پیش نظر رکھا ہے جیسا کہ اس سے قبل اشعری اور ابن تیمیہ
نے کیا تھا۔ ان کی تصنیفات میں کہیں اس کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا کہ انہوں نے شیعہ اور سنّی کے مابین خلیج کو پر کرنے کی
کوشش کی ہو یا اشاعرہ اور معتزلہ میں تطبیق کی کوشش کی ہو جیسا کہ فاضل محقق شیخ محمد اکرام (رود کوثر ص۵۱۶)
نے لکھا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تصنیفات سے شیعہ سنی مناظرہ میں اور شدت پیدا ہوئی اور ان
کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز مجبور ہوئے اور انہوں نے ایک اور جامع تر کتاب تحفہ اثنا عشریہ لکھ کر شاہ صاحب
کے موقف کی مدافعت کی۔ کیونکہ ان مناظروں میں اب مزید شدت پیدا ہو چکی تھی۔

دیکھئے رود کوثر، صفحات ۵۶۷ - ۵۷۴۔

[شیعہ سنّی نزاع کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا جو مسلک ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اس
کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

ہندوستان میں پہلے تورانی سنی، پھر ایرانی شیعہ اور آخر میں متشدد سنی روہیلوں کی شکل میں داخل
ہوئے۔ ان تینوں عناصر کے امتزاج سے تسنن و تشیع کے سلسلے میں عجیب افراط و تفریط کی کیفیت پیدا
ہو گئی تھی۔ شاہ صاحب نے اس سلسلے میں بڑا کام کیا۔ بڑی محنت سے ہزارہا ہزار صفحات کو پڑھ کر آپ
نے چاروں خلفاء کے واقعی حالات ازالۃ الخفا میں ایسے دل نشین طریقے سے مرتب فرمائے کہ اس
کتاب کے پڑھنے کے بعد اگر شیعوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، تو اسی کے ساتھ ان غالی سنیوں
کی شدت و تیزی میں بھی کمی پیدا ہو جاتی ہے جو محض اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز نے تنہا حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کے مناقب کیوں بیان کئے۔ یا شاہ ولی اللہ نے شیعوں کی تکفیر میں فقہائے حنفیہ
کے اختلاف کو کیوں بیان کیا، ان پر بھی شیعیت کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے بجائے
مناظرے اور مجادلے کے شاہ صاحب نے ایک ایسی راہ دریافت فرمائی جس سے بہت سے فتنوں کا سد باب ہو گیا۔]

(الفرقان۔ شاہ ولی اللہ نمبر) (مدیر)

۹۴- فیوض الحرمین (ص ۱۸۳ و مابعد) میں اور بعد میں قرۃ العینین میں شاہ صاحب حضرت علی کی شیخین پر فضیلت کے عقیدے کو صوفیا سے منسوب کرتے ہیں۔ دونوں کتابوں میں انہوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ راہ سلوک کے اختیار کرنے سے ایک شخص کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہو تو یہ محض جزئی ہوگی۔ حقیقی فضیلت انبیاء کے طریقے کو اختیار کرنے میں ہے جس کے لحاظ سے ابوبکرؓ اور عمرؓ یقیناً حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔

۹۵- فیوض الحرمین، صفحات ۱۸۳- ۲۲۸

۹۶- ایضاً ص ۲۲۰

۹۷- ایضاً صفحات ۱۲۴- ۱۲۵

۹۸- ایضاً صفحات ۲۳۷- ۲۳۹

۹۹- ایضاً ص ۲۳۴

۱۰۰- ایضاً صفحات ۱۲۷، ۱۵۱، ۱۶۰، ۲۲۹

بعض اوقات لفظ قطب تنہا استعمال ہوا ہے (مثلاً صفحات ۱۵۱، ۱۶۰) اور اکثر مقامات پر اس کی صفت ارشادیہ بیان کی گئی ہے یعنی قطب کا کام لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ (دیکھئے صفحات ۱۲۷، ۲۲۹)

اس طرح آپ نے قطب کے تصور کو قطب کے عام تصور سے علیحدہ کر دیا۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "آپ کی دعوت میں کسی قسم کا کوئی ذاتی دعویٰ یا اپنی ذات کے لئے غرض نہیں۔ ہندوستان میں اسلام کے بڑے بڑے اور پر خلوص علما کے ساتھ بھی یہ بہت بڑی دقت پیش آتی رہی ہے کہ جب وہ احیائے اسلام کے عزم سے اٹھتے تو ان کے اپنے دعاوی ان کی تعلیمات کا حصہ بن جاتے۔ یہ شاہ ولی اللہ کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے ان خواہشات پر قابو پایا (تحریک آزادی کی ایک تاریخ، محولہ بالا۔ جلد اوّل ص ۹۵م نیز "رود کوثر" ص ۹۲م) مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ شیخ اکرام صاحب کی یہ رائے کلیتہً غلط ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہ صرف اس مقام پر اپنے "مجدد" ہونے کا بلکہ دوسری تصنیفات میں اپنے خاتم الحکم (خیر کثیر، ص ۱۲۹) اور قائم الزمان (فیوض الحرمین ص ۲۹۷) ہونے کا دعوے بھی کیا۔ [یہ دعوے بے شک ہیں اور متصوفانہ ادب میں یہ ایک عام چیز ہے، لیکن بعض دوسرے

بزرگوں کی طرح شاہ صاحب کو مجدد بنا کر ان کے نام سے کوئی تحریک اور جماعت قائم نہیں ہوئی۔ ان کا تمام زور فکری تجدید پہ ہے —— مدیر]

۱۰۱- اس خواب میں اجمیر مرکز اسلامی کی علامت و رمز کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز اجمیر سے ہوا اور یہیں سے یہ تحریک برصغیر کے دوسرے حصوں میں پھیلی۔

۱۰۲- فیوض الحرمین صفحات ۲۹۷ - ۲۹۹

۱۰۳- عام طور پر اس خواب کی تعبیر محض پانی پت کی جنگ سے کی جاتی ہے۔ لیکن اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ خواب اپنی تعبیر کے لحاظ سے عالمگیر ہے۔ کیونکہ مرہٹوں کی شکست سے ملک میں امن و امان قائم نہیں ہوا بلکہ اس کے نتیجے میں ہندوستان میں اور دیگر اسلامی دنیا میں برطانوی راج قائم ہوا۔ اور تدریجی طور پر ہر جگہ مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ اور ان کا مذہب و شریعت دب کر رہ گیا۔ ہر جگہ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑے اور یہ صورت آج تک چلی آتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کی ہمہ گیر اور کلی انقلاب کی تجویز علیٰ حالہ قائم ہے۔ تا آنکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد "لیظہرہ علی الدین کلہ" پورا نہ ہو۔ القرآن ۹ : ۳۳

۱۰۴- اس زمانے کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دربار کے دونوں فریق، تورانی، جن کی قیادت نظام الملک کر رہا تھا اور ہندوستانی، جن کا سردار خان دوراں تھا۔ ہندوستان میں نادر شاہ کو دعوت دینے کا الزام ایک دوسرے پر دھرتے تھے۔ چند دیگر تاریخوں میں اس کا ذمہ دار سعادت خاں اودھ کے پہلے نواب، کو ٹھہرایا گیا ہے۔

دیکھئے اشیر بادی لال سری واستوا "اودھ کے پہلے دو نواب" (انگریزی) صفحات ۶۱ - ۶۲

۱۰۵- سیاسی مکتوبات صفحات ۱۲۱ - ۱۲۲، ۱۴۹

۱۰۶- یوسف حسین، مرجع سابق ص ۱۹۸

۱۰۷- سیاسی مکتوبات محولہ بالا صفحات ۵۲، ۱۵۶

۱۰۸- شاہ ولی اللہ نظام الملک کے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں — انہوں نے

نظام الملک کے نام ایک خط لکھا۔ "ہمیں آپ سے بہت توقعات ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی جدوجہد سے ظلم وستم ختم ہوجائے اور نیکی اور عدل کا دور دورہ ہو، برائی کا قلع قمع ہوجائے کیونکہ آپ فطری طور پر مستعد، سنجیدہ اور نیکی کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ (سیاسی مکتوبات ص ۱۴۷)

۱۰۹- یہ بات اب پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ صفدر جنگ نے جب سیاست میں قدم رکھا اس کی شدید خواہش تھی کہ سلطنت کے بکھرتے ہوئے شیرازے کو روکا جائے ملاحظہ ہو سری دستوا، مرجع سابق، ص ۱۳۱- اور تحریک آزادی کی ایک تاریخ، جلد اول، ص ۲۱۵

۱۱۰- جب صفدر جنگ وعدے کے مطابق مرہٹوں کو رقم نہ دے سکا تو انہوں نے دہلی اور اس کے گرد و نواح میں لوٹ مار مچادی۔ "ہر صبح وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اپنے پڑاؤ سے نکلتے اور جہاں تک پہنچ پاتے لوٹ مار کرتے اور شام کو لوٹ کے مال سے لدے پھندے واپس آتے۔ دہلی سے چالیس میل تک کے گرد و نواح کے سارے دیہات اس لوٹ کا نشانہ بنے۔ دارالخلافہ بھی پوری طرح ان دکنی ڈاکوؤں کے رحم وکرم پر تھا۔"

(سری دستوا، مرجع سابق، ص ۲۰۳)

۱۱۱- احمد شاہ شاہ ولی اللہ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اپنے دوست اور شاگرد محمد عاشق کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ احمد شاہ اور اس کی والدہ دونوں نماز جمعہ کے بعد ان کے پاس مسجد میں آئے۔ تقریباً چار گھنٹے ٹھہر کر اور وہیں کھانا کھایا۔ اور بعض بہبود عامہ کے امور کے سلسلے میں شاہ صاحب سے مشورے لئے۔ (سیاسی مکتوبات صفحات ۱۲۶ - ۱۲۸)

شہنشاہ اور صفدر جنگ میں کشیدگی کی وجہ غالباً شاہ ولی اللہ کے مشورے تھے۔ کیونکہ وہ صفدر جنگ کی پالیسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ صفدر جنگ افغانوں کے خلاف تھا اور غیر مسلموں سے اس کا بہت میل جول تھا۔ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ شیعہ تھا۔ نجیب الدولہ نے اس عرصے میں جو کردار ادا کیا اس کی رہنمائی بھی زیادہ تر شاہ ولی اللہ نے کی جیسا کہ "سیاسی مکتوبات" میں درج اس کے نام بہت سے خطوط سے مترشح ہوتا ہے۔

۱۱۲- صفدر جنگ کے اکسانے پر جاٹوں نے پرانی دہلی کو تھوڑا تھوڑا کرکے اتنا لوٹا کہ یہاں کچھ بھی باقی نہ رہا۔ یہاں تک کہ صفدر جنگ کے مرشد شاہ باسط کا مکان بھی ان کے ہاتھوں سے

پنج سرکار۔ پرانی دہلی شہر کی آبادی، جو شاہجہان آباد سے کچھ زیادہ تھی، پوری طرح تباہ ہو گئی یہاں تک کہ ایک چراغ بھی نہ رہا جو روشن ہو (سری واستوا، مرجع سابق، صفحات ۲۳۰-۲۳۱)
شاہ ولی اللہ ایک خط میں اس ناگفتہ بہ حالت کا تذکرہ کرتے ہیں "صفدر جنگ ایرانی نے بغاوت کی اور سورج مل جاٹ سے ساز باز کر کے دہلی کو تاخت و تاراج کیا اور پوری آبادی کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ (سیاسی مکتوبات، صفحات ۹۴، ۱۰۲)

۱۱۳- ایضاً صفحات ۸۹، ۱۵۳

۱۱۴- اس خط میں سراج الدولہ کو نوجوان اور ناپختہ کار حکمران بنگالی کہا گیا ہے (سیاسی مکتوبات صفحات ۱۰۳-۱۰۴) سراج الدولہ علی وردی خاں کی وفات پر ۱۰ اپریل ۱۷۵۶ء میں بنگال کا حکمران ہوا اور جنگ پلاسی میں ۲۲ جون ۱۷۵۷ میں شہید ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۷۵۰ء اور ۱۷۵۷ کے درمیان لکھا گیا۔

۱۱۵- سیاسی مکتوبات صفحات ۱۰۲- ۱۰۵

۱۱۶- ایضاً صفحات ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۴

۱۱۷- بعض اصحاب شیخ احمد سرہندی کے غیر مسلموں کے ساتھ غیر مصالحانہ رویے پر معترض ہوتے ہیں دیکھئے شیخ محمد اکرام "رود کوثر" صفحات ۲۷۶- ومابعد۔ ص ۵۹۴ پر لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ کا رویہ اتنا غیر مصالحانہ نہیں تھا۔ یہ فیصلہ قطعی طور پر شاہ ولی اللہ کی تصنیفات کے سطحی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ غیر مسلموں کے بارے میں، جیسا کہ زیر نظر مقالے سے معلوم ہو رہا ہوگا، شاہ ولی اللہ کا مشورہ شیخ احمد سرہندی سے مختلف نہیں تھا۔ شیخ احمد سرہندی نے شیخ فرید کو ہندوؤں سے آزادانہ میل جول سے منع کیا تو شاہ ولی اللہ نے نجیب الدولہ کو ان لوگوں کی سازشوں سے متنبہ کیا۔

۱۱۸- سیاسی مکتوبات ص ۱۴۹

۱۱۹- ایضاً صفحات ۱۰۲- ۱۰۳

سرکار لکھتے ہیں "صفدر جنگ آسمان دہلی کا منحوس ستارہ تھا۔ سیاسی دور اندیشی حب الوطنی اور تخت سے وفاداری سے بے بہرہ تھا۔ ذاتی ہوس کی پالیسی پر چلتے ہوئے وہ مغل سلطنت کی تباہی پر تلا ہوا تھا۔ درباری امراء میں سے ایرانی فریق نیز دوسری نسلوں کے شیعہ نو واردوں کو ہر جگہ

عہدے دینا ضروری تھا۔

(مغل سلطنت کا زوال (انگریزی) جلد اوّل، ص ۲۳۴)

ایک اور جگہ سرکار لکھتا ہے "صفدر جنگ نے ...... تورانی امرا اوران کے متعلق کو ہر با اقتدار اور منفعت بخش عہدے سے محروم کرنے کی کوشش کر کے اپنے بے شمار دشمن بنا لئے" (ایضاً ص۲۵۴)

۱۲۰۔ عماد الملک کی سیرت کی چند جھلکیاں مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط میں نظر آتی ہیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ وہ کلی طور پر غیر معتبر، کینہ اور عیار تھا، اس کے عہد وزارت میں لوگوں کو بہت مصائب سے سامنا کرنا پڑا۔

(کلمات طیبات، صفحات ۵۸-۶۱-۶۶، ۷۰)

۱۲۱۔ سرکار، مرجع سابق، جلد ثانی، ص ۳۰۵

۱۲۲۔ ایضاً ص ۱۹۷

۱۲۳۔ تحریک آزادی کی ایک تاریخ، محولہ بالا، جلد اول ص ۲۸۷

سرکار، مرجع سابق، جلد ثانی، ص ۱۹۸

۱۲۴۔ تحریک آزادی کی ایک تاریخ، محولہ بالا، ص ۲۹۱

سرکار محولہ بالا، ص ۲۳۲- ۲۳۳

۱۲۵۔ سیاسی مکتوبات، صفحات ۱۱۵ ومابعد

۱۲۶۔ ایضاً صفحات ۱۱۹ ومابعد

۱۲۷۔ ایضاً صفحات ۱۰۳-۱۰۴

۱۲۸۔ اردو ترجمہ، ص ۱۲۰

۱۲۹۔ کیمبرج تاریخ ہند (انگریزی) جلد پنجم، صفحات ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۱

۱۳۰۔ عبداللہ یوسف علی "برطانوی دور میں ہندوستان کی ثقافتی تاریخ" (انگریزی)

(بمبئی، ۱۹۴۰) ص ۲۹

۱۳۱۔ پروفیسر ایم۔ ایم شریف، "مسلم فلسفہ اور مغربی فکر" (انگریزی)

اقبال (جولائی ۱۹۵۵ء) صفحات ۱-۱۴

۱۳۲- سیاسی مکتوبات ص ۷۴

اولاد نظام الملک مرحوم...... گاہے فرنگیان را با خود رفیق گرفتہ

یہ خط جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۱۶۹ھ اور ۱۱۷۰ھ کے درمیان لکھا گیا

۱۳۳- تفہیمات، کتاب اول، نمبر ۳۱   ۱۳۴- ایضاً

کتابیات

۱- شاہ ولی اللہ "انفاس العارفین" (فارسی) مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۳۵ھ

۲- "فیوض الحرمین" اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور

۳- خیر کثیر، اردو ترجمہ (بمبئی)

۴- "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" (اردو ترجمہ) پاکستان ایجوکیشنل پبلیشرز، کراچی ۱۹۶۰ء

۵- حافظ رحیم بخش، "حیات ولی" مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۱۹۵۵ء

۶- "الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر، بریلی ۱۹۴۰ء

۷- "کلمات طیبات" مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

۸- خلیق۔ اے نظامی، "ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" دہلی

۹- شیخ محمد اکرام "رود کوثر" فیروز سنز، لاہور

10. A History of Freedom Movement, Vol, I, (1707-1831), Pakistan Historical Society.

11. S. M. Ikram, "History of Muslim Civilization in India and Pakistan", ed. Professor S. A. Rashid, Lahore.

12. J. N. Sarkar, Fall of the Moghal Empire", Vols I and II, Calcutta, 1949.